جلد ۳ اگست ۱۹۶۲ شمارہ ۸

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ: پانچ روپے قیمت فی پرچہ: آٹھ آنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ **انصار اللہ** ربوہ

اگست سنہ ۱۹۶۲ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ :- پانچ روپیے ❖ فی پرچہ :- پچاس پیسے

فہرستِ مضامین

طابع و ناشر :- محمد ابراہیم ؛ مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقامِ اشاعت :- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ" دار الصدر جنوبی ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جلد ۳ | ماہنامہ اَنْصَارُ اللّٰہ ربوہ | شمارہ ۸

(۱۵ / اگست ۱۹۶۲ء)

فلاحِ دارین اور اُس کے حصول کے یقینی ذرائع

ذاتی اعمال اور جماعتی کردار کا قرآنی معیار

اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی جو اسے تمام دیگر ادیان سے ممتاز کرنے اور سب دینوں پر اسے ایک لازوال فوقیت بخشنے والی ہے یہ ہے کہ اسلام خالی **نجات** کو ہی انسان کا منتہائے مقصود قرار نہیں دیتا بلکہ وہ اعمالِ صالحہ بجا لانے کی صورت میں ہر سچے مومن کو فلاح کی ضمانت دیتا ہے۔ نجات کے معنی ہیں اعمالِ بد اور اُن کے بُرے انجام سے بچ جانا۔ اس کے بالمقابل فلاح سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کر لے اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہر لحاظ سے فائز المرام قرار پا کر اس کے بے انداز انعامات و افضال کا مستحق قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ نجات کا لفظ بہت کمتر درجہ پر دلالت کرتا ہے اور اس کے بالمقابل فلاح کا لفظ بہت وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ اس میں نجات کا مفہوم بھی شامل ہے اور اس سے بڑھ کر یہ اُس بلند و بالا اور برتر و اعلیٰ مقصد کی تکمیل پر بھی دلالت کرتا ہے جس کے خاطر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ گناہ سے بچ جانا بے شک اچھی بات ہے لیکن یہ کوئی ایسی اعلیٰ خوبی نہیں ہے کہ انسان مطمئن ہو کر کہہ سکے کہ میں نے اپنی زندگی کا مقصد پا لیا۔ زندگی کا مقصد تو اس سے بہت بلند و بالا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان گناہوں اور ان کے نتیجہ میں رونما ہونے والے مصائب و مشکلات اور دُکھ اور تکالیف سے محفوظ ہو کر نیکی کے اعلیٰ مدارج طے کرے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اس کی تائید و نصرت کا مزا وار ٹھہرے اور صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بن کر دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے فائز المرام قرار پائے۔

اس مقصد کے حصول کا نام فلاح ہے اور اسلام ہر پیرو کو اس کی ضمانت دیتا ہے جیسا کہ وہ ایمان لانے اور نیک اعمال بجالا کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والوں کے متعلق بار بار فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جو نجات ہی نہیں بلکہ فلاح پانے والے ہیں۔ الغرض اسلام نے نجات کو نہیں بلکہ فلاح کو اپنا منتہائے مقصود قرار دینے کی تلقین فرمائی ہے اور یہ اُن بے شمار خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی ہے جن سے تمام دیگر ادیان پر اس کی لازوال فوقیت ظاہر ہوتی ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے فلاح کے حصول کی ہی تلقین نہیں فرمائی بلکہ اس کے حصول کے ذرائع پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان ذرائع میں اجمالاً تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کما حقہٗ بجا آوری شامل ہے اور بلحاظ تفصیل اس میں وہ تمام اعمالِ حسنہ آجاتے ہیں جنہیں ضابطۂ حیات کے طور پر اختیار کرنے کی اسلام نے تلقین فرمائی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ان اعمالِ حسنہ کی وضاحت کرتے ہوئے انہیں حصولِ فلاح کا ذریعہ قرار دیا ہے اور انہیں پورے تعہد اور عزم و ہمت کے ساتھ بجالانے کی تلقین فرمائی ہے۔

اس تعلق میں سب سے پہلی اور بنیادی بات اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ فلاح کا حصول انہی لوگوں کے لئے مقدر ہوتا ہے جو مامور من اللہ پر ایمان لا کر حزب اللہ میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو مامور من اللہ کا انکار کر کے اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں وہ کبھی فلاح کا منہ نہیں دیکھتے۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ آیت ۲۳)	سن رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح فرماتا ہے:-

اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ ○ (المؤمنون آیت ۱۱۸)	حقیقت یہ ہے کہ کافر (انکار کرنے والے) کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ ضروری نہیں کہ مامور من اللہ پر ایمان لانے والا ہر مومن فلاح کا منہ دیکھے۔ وہی مومن فلاح پاتے ہیں جو مامور من اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کی لائی ہوئی تعلیم پر کما حقہٗ عمل پیرا ہوتے ہیں اور دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہوئے ذاتی طور پر نیکی کے ایک خاص معیار پر پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○	کامل مومن اپنی مراد کو پہنچ گئے، وہ مومن جو اپنی نمازوں میں عاجزانہ طریقہ اختیار کرتے ہیں،

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝
اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ
اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ
لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝
وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ
یُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝
الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ
فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (المؤمنون آیات ۴ تا ۱۲)

اور جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں، اور
جو زکوٰۃ باقاعدہ دیتے ہیں، اور جو
اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے
اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک اُن کے دائیں
ہاتھ ہوئے ہیں پس ایسے لوگوں کو کسی قسم کی ملامت
نہیں کی جائے گی۔ اور جو اس کے سوا کسی اور
بات کی خواہش کریں تو وہ لوگ زیادتی کرنے
والے ہوں گے۔ اور وہ لوگ (یعنی کامل مومن)
جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال
رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت
کرتے رہتے ہیں یہی لوگ اصل وارث ہیں جو فردوس
کے وارث ہونگے۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہتے چلے جائینگے۔

اختصار کے پیشِ نظر ہم نے یہاں سورۃ المؤمنون کی مندرجہ بالا آیات درج کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ذاتی نیکیوں کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے ذکر کر کے ان کی کماحقہٗ ادائیگی کو حصولِ فلاح کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

ذاتی نیکی اور پاکیزگی کے حصول کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس تعلق میں جماعتی کردار کا بھی ذکر فرمایا ہے اور بعض مخصوص جماعتی نیکیوں اور اجتماعی جد و جہد کو بھی حصولِ فلاح کا ایک موثر ذریعہ قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ ایمان لانے والوں کا یہی فرض نہیں ہے کہ وہ ذاتی طور پر نیک بنیں اور ہر مومن انفرادی طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کماحقہٗ ادائیگی کا التزام کرے بلکہ اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ باہم مل کر اور یک جان و یک زبان ہو کر مامور من اللہ کے کاموں میں اُس کے معین و مددگار بنیں اور اس طرح خدا کے دین کی نصرت اور تقویت کا باعث بن کر "انصار اللہ" کے زمرہ میں شامل ہوں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یقیناً فلاح کا حصول اُن کے لئے ممکن ہو جائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ
وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ

پس وہ لوگ جو اس (ہمارے رسولؐ) پر ایمان لائے
اور اس کو طاقت پہنچائی اور اُس کو مدد دی اور

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

(الاعراف آیت ۱۵۸)

اُس نُور کے پیچھے چل پڑے جو اس کے ساتھ اُتارا گیا تھا وہی لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے۔

خدا کے دین کی نصرت کس طرح کی جائے؟ اِس کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا فرض ہے کہ خدا کے دین کو زمین پر غالب کرنے کے لئے انتہائی جدّوجہد سے کام لیں اور اس راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو خرچ کرنے سے دریغ نہ کریں۔ اگر وہ اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو اس کی راہ میں بے دریغ خرچ کریں گے تو یقیناً وہ فلاح پائیں گے اور اپنی مُراد کو پہنچ جائیں گے چنانچہ فرماتا ہے :-

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

(التوبہ آیت ۸۸)

لیکن یہ رسول (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو اس کے ساتھ ہو کر خدا پر ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں کے ذریعہ سے جہاد کیا ہے ان کے لئے ہر قسم کی بھلائیاں ہیں اور وہی آخر فلاح پانے والے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نصرتِ دین کے تعلق میں لوگوں تک منظم طور پر صداقت کو پہنچانے اور انہیں راہِ راست پر لانے پر بھی بہت زور دیا ہے اور اس طرح منظم تبلیغ کو حصولِ فلاح کا ایک نہایت موثر ذریعہ قرار دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے :-

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى
الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

(آلِ عمران آیت ۱۰۵)

اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جس کا کام صرف یہ ہو کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور نیک باتوں کی تعلیم دے اور بدی سے روکے اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

ذاتی نیکی اور نیک چلنی اختیار کرنے اور جماعتی نیکیاں بدل و جان بجا لانے کی تلقین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حصولِ فلاح کے تعلق میں ایک نہایت اہم اور بنیادی امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان ذاتی نیکی اور اجتماعی جدّوجہد پر نازاں نہ ہو بلکہ پورا بھروسہ اور توکل اللہ تعالیٰ پر ہی رکھے اور اُس کے فضل اور اُسکی رحمت اور اُس کی تائید و نصرت کا ہر آن طلب گار رہے اور اُس کی عبادت اور ذکرِ الٰہی اور نیک کاموں کے ذریعہ اُس کی نصرت اور فضل کو جذب کرنے کی کوشش کرے چنانچہ فرماتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا
وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ

اے مومنو! رکوع (اللہ پر توکل) کرو اور سجدہ (اللہ کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری) کرو اور

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام بجا لاؤ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔
(الحج آیت ۷۸)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اوّل میں اِس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے واضح فرمایا ہے کہ یہاں رکوع اور سجدہ سے نماز والا رکوع اور سجدہ مراد نہیں ہے۔ اگر اِس آیت میں نماز والا رکوع اور سجدہ مراد ہوتا تو پھر علیحدہ واعبدوا ربّکم کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ عربی لغت اور محاورہ کی رُو سے حضور نے یہاں وارکعوا کے معنے خدا کی توحید پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اسی کی طرف جُھک جانا اور اُسی پر انحصار رکھنا اور اُسی پر توکّل کرنا کئے ہیں۔ اسی طرح واسجدوا کے معنے یہ کئے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری اور اطاعت کی جائے۔ الغرض اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال بجا لانے، خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اُس کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا شعار بنانے اور اسی پر توکّل کرنے اور انحصار رکھنے کو مومنوں کی کامیابی کا اصل ذریعہ قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس پر توکّل کے بغیر مومن کبھی فلاح حاصل نہیں کر سکتے اور خدا تعالیٰ کی نگاہ میں فائز المرام قرار نہیں پا سکتے۔ ان کے نیک اعمال اور ان کی عبادتیں اور دین کو دنیا میں غالب کرنے کے سلسلہ میں ان کی تمام تر کوششیں انہیں اسی صورت میں ہی فائز المرام کر سکتی ہیں کہ وہ اپنی نیکی اور اپنی جدوجہد پر نازاں نہ ہوں بلکہ توکّل خدا کی ذات ہی پر رکھیں اور کامل اطاعت اور کامل فرمانبرداری کا نمونہ دکھائیں۔

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ ذاتی اعمال کے سلسلہ میں مخصوص نیکیاں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق بہت سے تفصیلی احکام پر مشتمل ہیں اور جماعتی کردار سے متعلق بعض مخصوص اوصاف جن میں جان و مال کی قربانی دے کر نصرتِ دین کا فریضہ ادا کرنے اور صداقت کو دوسروں تک پہنچانے اور انہیں راہ راست پر لانے کی منظم اور ہمہ گیر جدوجہد شامل ہے حصولِ فلاح کے یقینی ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ان سب احکام کی علّت غائی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ لعلکم تفلحون تاکہ تم فلاح کے وارث قرار پا سکو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذاتی اعمال اور جماعتی کردار سے متعلق مخصوص نیکیاں بجا لانے اور اپنے اندر مخصوص اوصاف پیدا کرنے کی تلقین پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ اِس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ ذاتی اعمال اور جماعتی کردار کا معیار کیا ہونا چاہیئے؟ اور فرمایا ہے کہ اِس معیار کو حاصل کئے بغیر تم حصولِ فلاح کے مستحق قرار نہیں پا سکتے۔ اُس بلند ترین معیار کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجہ اجمال سے کام لیتے ہوئے صرف ایک نہایت جامع اور ہمہ گیر لفظ میں بیان فرما دیا ہے اور وہ ہے تقویٰ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ اور سورۃ

آل عمران میں اُن مخصوص اعمال کی تفصیل بیان فرمانے کے بعد جنہیں اس نے حصولِ فلاح کا ذریعہ ٹھہرایا ہے اس فلاح کے حصول کو تقویٰ کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان احکام کے آخر میں فرماتا ہے:۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
(بقرہ آیت ۱۹۰، آل عمران آیت ۱۳۱)

(تم ان نیک اعمال کی بجاآوری میں) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (یہ اسلئے ہے) تاکہ تم فلاح پاؤ۔

چونکہ فلاح کا حصول تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے اور اس نے مختلف پیرائے میں اس کی اہمیت کو ذہن نشین کرایا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ نیک انجام متقیوں کے لئے ہی مقدر ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ (طٰہٰ آیت ۱۳۳)

اور انجام تقویٰ ہی کا بہتر ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ نیک اعمال، دعائیں اور قربانیاں خدا کے نزدیک انہی لوگوں کی قبول ہو کر اجر و ثواب اور ترقی درجات پر منتج ہوتی ہیں جو تقویٰ کے مقام پر قائم ہو کر نیک اعمال بجا لاتے دعائیں کرتے اور قربانیاں دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝
(المائدہ آیت ۲۸)

اللہ تعالیٰ صرف متقیوں کے اعمال، ان کی دعائیں اور قربانیاں قبول کرتا ہے۔

نیز خدا تعالیٰ نے خبردار فرمایا ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے والے ہی خدا تعالیٰ سے سچی محبت رکھنے والے ہیں اور دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی انہی کے لئے مقدر ہے متقی نہ صرف اس جہان میں کامیاب ہوتے ہیں بلکہ اگلے جہان میں بھی وہی فائز المرام قرار پاتے ہیں اور یہ کہ تقویٰ کے مقام پر فائز ہو کر حصولِ فلاح کا مستحق بننا بہت ہی بڑی اور عظیم الشان کامیابی پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝
(یونس آیت ۶۵)

سنو! جو لوگ اللہ تعالیٰ سے سچی محبت رکھنے والے ہیں ان پر نہ کوئی خوف مستولی ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایمان لائے اور پھر جنہوں نے تقویٰ کو ہمیشہ لازم حال رکھا۔ ان کیلئے اس ورلی زندگی میں بھی بشارت پانے کا انعام مقدر ہے اور بعد والی زندگی میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کی فرمودہ باتوں میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور یہی وہ کامیابی ہے جو بڑی عظیم الشان کامیابی کہلا سکتی ہے۔

تقویٰ کی اِس عظیم الشان اہمیت کے پیشِ نظر ہی اِسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے درمیان عزّت و شرف اور عظمت و توقیر کا ایک معیار اور محک قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (الحجرات آیت ۱۴)

اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اللہ یقیناً بہت علم رکھنے والا اور بہت خبر رکھنے والا ہے۔

اور یقیناً تقویٰ کی یہی وہ بنیادی اہمیت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن ذاتی اعمال اور جماعتی کردار سے متعلق مخصوص نیکیوں کو جو حصولِ فلاح کے موثر ذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں لازمی طور پر تقویٰ کے ساتھ مشروط کیا ہے اور تقویٰ کو اُن کے حق میں ایک معیار کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ تقویٰ سے مراد نیکی کی وہ قوت اور مسابقت فی الخیرات کی وہ رُوح ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف اور اُس کی محبت کی وجہ سے انسان میں پیدا ہوتی ہے اور جس کے زیرِ اثر انسان اپنی ہر حرکت و سکون میں پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھتا ہے اور ہر قیمت پر راہِ سداد پر گامزن رہنے میں اُس کے پائے ثبات میں ذرا بھر بھی لغزش نہیں آتی۔ یہ وہ مقام اور معیار ہے جس پر قائم ہو کر انسان اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری میں متذکرہ بالا اعمالِ حسنہ بجا لائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں فلاح کا مستحق قرار پاتا ہے اور یہ فلاح اِس زندگی اور بعد والی زندگی دونوں پر حاوی ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی اُن جملہ آیات سے جو حصولِ فلاح کے تعلق میں ہم نے یہاں پیش کی ہیں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے حقیقی کامیابی کا یہ راستہ بتایا ہے کہ وہ تقویٰ اللہ کے مقام پر قائم ہو کر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورے عزم و ہمّت اور خاص التزام سے بجا لائیں اور اِس طرح نیکی و پرہیزگاری اور مخلوقِ خدا کے ساتھ ہمدردی میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بنیں نیز جماعتی طور پر جان و مال کی قربانی پیش کر کے اور کمال جانفشانی سے حق و صداقت کو دُنیا میں پھیلا کر نصرتِ دین کا فریضہ ادا کریں اور پھر اپنی کسی نیکی، کسی قربانی اور کسی بھی جدوجہد پر خواہ وہ کتنی ہی عظیم اور وسیع کیوں نہ ہو ہرگز نازاں نہ ہوں بلکہ نتائج اور کامیابی کے لئے ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف جُھکیں، اُسی پر بھروسہ اور توکّل رکھیں اور اُسی کی تائید و نصرت اور فضل و رحمت کے ہر آن طلبگار رہیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یقیناً وہ کامیاب و بامراد ہوں گے۔ مشکلات و مصائب کے پہاڑ بھی اگر اُن کی راہ میں حائل ہوں اور بڑی سے بڑی طاقت بھی اگر سدِّ راہ بن کر سامنے آئے تو بھی اُنہیں کوئی گزند نہ پہنچ سکے گا اور اُنکا قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا یہاں تک کہ وہ کامیاب ہو کر اپنی مراد کو پالیں گے اور دیکھیں گے کہ وہی دنیا

جو اُن کے ورثہ آزار بھی اُن کے قدموں میں آگری ہے۔

خدائی جماعتیں ہمیشہ حصولِ فلاح کے اس راستہ پر گامزن ہو کر دنیا میں کامیاب ہوا کرتی ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات میں بڑی وضاحت کے ساتھ نشاندہی کی ہے۔ اِن حالات میں ہم جو جماعتِ احمدیہ میں شمولیت کے شرف سے مشرف ہیں ہمارے لئے ازبس ضروری ہے کہ ہم حصولِ فلاح کے اِس قرآنی راستہ کی اہمیت کو سمجھیں، اِس کے جملہ تقاضوں سے آگاہ ہوں اور پھر پورے خلوصِ نیت اور عزم و ہمت کے ساتھ اِس پر گامزن ہوں۔ اسی میں ہماری تمام تر کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اس کے سوا اور کسی راستہ پر چل کر ہم کبھی اور کسی حال میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہم نسلاً بعد نسلٍ حصولِ فلاح کے اِن ذرائع کو جس قدر تعہد کے ساتھ اختیار کرتے چلے جائیں گے اُسی قدر برق رفتاری سے ہم دنیا میں ترقی کرتے چلے جائینگے یہانتک کہ اسلام دنیا میں غالب آ کر ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب کرے گا اور خدا تعالیٰ کے حضور ہم سرخرو قرار پاسکیں گے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب اور ملفوظات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوئے بغیر نہیں رہتی کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیش بہا نصائح میں جماعت کو بار بار اور بہت اصرار کے ساتھ فلاحِ دارین کے اسی قرآنی راستہ پر گامزن ہونے اور حصولِ فلاح کے اِن یقینی ذرائع کو دلی ذوق و شوق کے ساتھ اختیار کرنے اور ان پر پورا اترنے کی تلقین فرمائی ہے۔ کسی آئندہ اشاعت میں ہم حصولِ فلاح کے اِس قرآنی راستہ کو حضور علیہ السلام کی تحریرات کی روشنی میں واضح کریں گے تاکہ اس کی اہمیت زیادہ موثر رنگ میں احباب پر منکشف ہو سکے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حصولِ فلاح کے اِس قرآنی راستہ کی اہمیت کو سمجھنے، اس پر دل و جان کے ساتھ عمل پیرا ہونے اور اس کے جملہ تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اُس کے فضل اور اُس کے احسان کے نتیجے میں صحیح معنوں میں المفلحون کے مبارک زمرہ میں شامل ہونے کا فخر حاصل کر سکیں۔ آمین یا ارحم الراحمین +

نیکی کا نیک نتیجہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"جو سرگرمی سے نیکی کرتا ہے نیک نتیجہ پانے سے خالی نہیں رہتا اور جو بدی کرتا ہے ضرور بد نتیجہ بھگت لیتا ہے۔" (البلاغ المبین)

کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

جو لوگ صراطِ مستقیم پر چلیں گے وہی محفوظ رہیں گے

حفاظت کا وعدہ اُنہی لوگوں کے لئے ہے جو سچّی تبدیلی اپنے اندر کرتے ہیں!

امام الزمان سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۳۰ ردسمبر ۱۹۰۴ء کو نماز جمعہ کے بعد ایک نہایت رُوح پرور تقریر ارشاد فرماتے ہوئے احبابِ جماعت کو دین کو دُنیا پر مقدم کرنے، ہر آن خدا کی طرف جُھکنے اور اُسی کی طرف رجوع رکھنے کی نہایت پُرزور تلقین فرمائی تھی۔ نیز پاکیزگیٔ قلب حاصل کرکے اپنے اندر صحیح معنوں میں ایک پاک تبدیلی پیدا کرنے کی اہمیت واضح کرکے خبردار فرمایا تھا کہ آنے والے خطرات سے وہ لوگ ہی محفوظ رہیں گے جو خدا کے بتلائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا وعدہ اُنہی لوگوں کے لئے ہے جو سچّی تبدیلی اپنے اندر پیدا کرتے ہیں۔ حضرت اقدس علیہ السلام کی اِس وجد آفرین تقریر کا ایک حصّہ ذیل میں ہدیۂ احباب کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

"انسان کو چاہیئے کہ حسنات کا پلڑا بھاری رکھے۔ مگر جہاں تک دیکھا جاتا ہے اُس کی مصروفیت اِس قدر دُنیا میں ہے کہ یہ پلڑا بھاری ہوتا نظر نہیں آتا۔ رات دن اِسی فکر میں ہے کہ وہ کام دُنیا کا ہو جاوے، فلاں زمین مِل جاوے، فلاں مکان بن جاوے حالانکہ اسے چاہیئے کہ افکار دین بھی دین کا پلڑا دُنیا کے پلڑے سے بھاری رکھے۔ اگر کوئی شخص رات دن نماز روزہ میں مصروف ہے تو یہ بھی اُس کے کام ہرگز نہیں آسکتا جب تک کہ خدا کو اس نے مقدّم نہیں رکھا ہوا۔ ہر بات اور فعل میں اللہ تعالیٰ کو نصب العین بنانا چاہیئے ورنہ خدا کی قبولیت کے لائق ہرگز نہ ٹھہرے گا۔ دُنیا کا ایک بُت ہوتا ہے جو کہ ہر وقت انسان کی بغل میں ہوتا ہے۔ اگر وہ مقابلہ اور موازنہ کرکے دیکھے گا تو اُسے معلوم ہوگا کہ طرح طرح کی نمائش اُس نے دُنیا کے لئے ہی بنا رکھی ہے اور دین کا پہلو بہت کمزور ہے حالانکہ عمر کا اعتبار نہیں اور نہ علم ہے کہ اُس نے ایک پل کے بعد زندہ بھی رہنا ہے کہ نہیں۔ شیخ سعدی نے کیا

حمدہ فرمایا ہے ۵ مکن تکیہ برعمرِ ناپائیدار ۔

اِس وقت جس قدر لوگ کھڑے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ایک سال تک ان میں سے میں ضرور زندہ رہوں گا لیکن اگر خدا کی طرف سے علم ہو جاوے کہ اب زندگی ختم ہے تو ابھی سب ارادے باطل ہو جاتے ہیں۔ پس خوب یاد رکھو کہ مومن کو دُنیا کا بندہ نہ ہونا چاہیئے۔ ہمیشہ اِس امر میں کوشاں رہنا چاہیئے کہ کوئی بھلائی اُس کے ہاتھ سے ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ بڑا رحیم کریم ہے اور اُس کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ تم دُکھ پاؤ۔ لیکن خوب یاد رکھو کہ جو اُس سے عمداً دُوری اختیار کرتا ہے اس پر اُس کا قہر ضرور ہوتا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح سے چلی آتی ہے۔ نوحؑ کے زمانہ کو دیکھو، لوطؑ کے زمانہ کو دیکھو، موسیٰؑ کے زمانہ کو دیکھو، اور پھر آنحضرت صلعم کے زمانہ کو دیکھو کہ اُس وقت جن لوگوں نے عمداً خدا سے بُعد اختیار کیا اُن کا کیا حال ہوا۔ اِن ہی آرزوؤں نے انسان کو ہلاک کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ کہ اے لوگو جو تم خدا سے غافل ہو دُنیا طلبی نے تمہیں غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں داخل ہو جاتے ہو مگر غفلت سے باز نہیں آتے۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مگر اِس غلطی کا تم کو عنقریب علم ہو جائے گا۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ پھر تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عنقریب تم کو علم ہو جاوے گا کہ جن خواہشات کے پیچھے تم پڑے ہو وہ ہرگز تمہارے کام نہ آویں گی اور حسرت کا موجب ہوں گی۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ اگر تم کو یقینی علم حاصل ہو جاوے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچ کر اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہاری زندگی جہنمی زندگی ہے اور جن خیالات میں تم رات دن لگے ہوئے ہو وہ بالکل ناکارہ ہیں۔

مَیں ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح یہ باتیں لوگوں کے دل نشین ہو جاویں مگر آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہے جب تک خدا تعالیٰ خود ایک واعظ دل میں پیدا نہ کرے تب تک فائدہ نہیں ہوتا۔ جب انسان کی سعادت اور ہدایت کے دن آتے ہیں تو دل کے اندر ایک واعظ خود پیدا ہو جاتا ہے اور اُس وقت اُس کے دل کو ایسے کان مل جاتے ہیں کہ وہ دوسرے کی بات کو سُنتا ہے۔ راتوں کو اور دنوں کو خوب سوچ کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جاوے گا کہ انسان بہت ہی بے بنیاد شے ہے اور اُس کے وجود کی کوئی کَل بھی اُس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ایک آنکھ ہی پر نظر کرو کہ کس قدر باریک عضو ہے، اگر ایک ذرا پتھر آ لگے تو فوراً نابینا ہو جاوے۔ پھر اگر یہ خدا کی نعمت نہیں تو کیا ہے۔ کیا کسی نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ خدا اُسے ضرور بینا ہی رکھے گا۔ اور اِسی پر دوسرے قویٰ کا قیاس کر لو کہ اگر آج ہی میں فرق آ جاوے تو انسان کی کیا پیش چل سکتی ہے۔ غرضیکہ ہر آن اور ہر پل میں اُس کی طرف رجوع کی ضرورت ہے اور مومن کا گذارا تو ہو ہی نہیں سکتا جب تک اُس کا دھیان ہر وقت اُس کی طرف لگا نہ رہے۔ اگر کوئی اِن باتوں پر غور نہیں کرتا اور ایک

دینی نظر سے اُن کو وقعت نہیں دیتا تو وہ اپنے دنیوی معاملات پر ہی نظر ڈال کر دیکھے کہ کیا خدا کی تائید اور فضل کے سوا کوئی کام اس کا چل سکتا ہے؟ اور کوئی منفعت دنیا کی وہ حاصل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دین ہو یا دنیا ہر ایک امر میں اسے خدا کی ذات کی بڑی ضرورت ہے۔ اور ہر وقت اس کی طرف احتیاج لگی ہوئی ہے جو اس کا منکر ہے سخت غلطی پر ہے۔ خدا تعالیٰ کو تو اس بات کی مطلق پرواہ نہیں ہے کہ تم اُس کی طرف میلان رکھو یا نہ۔ وہ فرماتا ہے۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ۔ اگر اس کی طرف رجوع رکھو گے تو تمہارا ہی اس میں فائدہ ہوگا۔ انسان جس قدر اپنے وجود کو مفید اور کار آمد ثابت کرے گا اُسی قدر اُس کے انعامات کو حاصل کرے گا۔ دیکھو کوئی بیل کسی زمیندار کا کتنا ہی پیارا کیوں نہ ہو مگر جب وہ اس کے کسی کام بھی نہ آوے گا نہ گاڑی میں جتے گا نہ زراعت کرے گا نہ کنوئیں میں لگے گا تو آخر سوائے ذبح کے اور کسی کام میں نہ آوے گا ایک نہ ایک دن مالک اسے قصاب کے حوالہ کر دے گا ایسے ہی جو انسان خدا کی راہ میں مفید ثابت نہ ہوگا تو خدا اُس کی حفاظت کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ایک پھل اور سایہ دار درخت کی طرح اپنے وجود کو بنانا چاہیئے تاکہ مالک بھی خبر گیری کرتا رہے لیکن اگر اس درخت کی مانند ہوگا کہ جو نہ پھل لاتا ہے اور نہ پتے رکھتا ہے کہ لوگ سایہ میں آ بیٹھیں تو سوائے اس کے کہ کاٹا جاوے اور آگ میں ڈالا جاوے اور کس کام آسکتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی معرفت اور قرب حاصل کرے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ جو اس اصل غرض کو مدنظر نہیں رکھتا اور رات دن دنیا کے حصول کی فکر میں ڈوبا ہوا ہے کہ فلاں زمین خرید لوں، فلاں مکان بنا لوں فلاں جائداد پر قبضہ ہو جاوے تو ایسے شخص سے سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کچھ دن تک مہلت دیکر واپس بلالے اور کیا سلوک کیا جاوے انسان کے دل میں خدا کے قرب کے حصول کا ایک درد ہونا چاہیئے جس کی وجہ سے اُس کے نزدیک وہ ایک قابل قدر شے ہو جاوے گا۔ اگر یہ درد اُس کے دل میں نہیں ہے اور صرف دنیا اور اس کے مافیہا کا ہی درد ہے تو آخر تھوڑی سی مُہلت پا کر وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ خدا تعالیٰ مُہلت اس لئے دیتا ہے کہ وہ حلیم ہے لیکن جو اُس کے حلم سے خود ہی فائدہ نہ اٹھاوے تو اسے وہ کیا کرے۔ پس انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اُس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور تعلق بنائے رکھے۔ سب عبادتوں کا مرکز دل ہے۔ اگر عبادت تو بجا لاتا ہے مگر دل خدا کی طرف رجوع نہیں ہے تو عبادت کیا کام آوے گی۔ اس لئے دل کا رجوعِ تام اُس کی طرف ہونا ضروری ہے۔ اب دیکھو کہ ہزاروں مساجد ہیں مگر سوائے اس کے کہ ان میں رسمی عبادت ہو اور کیا ہے۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہودیوں کی حالت تھی کہ رسم اور عادت کے طور پر عبادت کرتے

تھے اور دل کا حقیقی میلان جو کہ عبادت کی رُوح ہے ہرگز نہ تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے اُن پر لعنت کی بس اس وقت بھی جو لوگ پاکیزگیٔ قلب کی فکر نہیں کرتے تو اگر رسم و عادت کے طور پر وہ سینکڑوں ٹکریں مارتے رہیں اُن کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اعمال کے باغ کی سرسبزی پاکیزگیٔ قلب سے ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا [۱۱/۳] کہ وہی بامراد ہوگا جو اپنے قلب کو پاکیزہ کرتا ہے اور جو اُسے پاک نہ کرے گا بلکہ خاک میں ملا دیگا یعنی سفلی خواہشات کا اُسے مخزن بنا رکھے گا وہ نامراد رہے گا۔ اِس بات سے ہمیں انکار نہیں ہے کہ خدا کی طرف آنے کے لئے ہزار ہا روکیں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو آج صفحۂ دُنیا پر نہ کوئی ہندو ہوتا نہ عیسائی۔ سب کے سب مسلمان نظر آتے لیکن اِن روکوں کو دُور کرنا بھی خدا کے فضل سے ہوتا ہے۔ وہی توفیق عطا کرے تو انسان نیک و بد میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس لئے آخر کار بات پھر اسی پر آ ٹھہرتی ہے کہ انسان اسی کی طرف رجوع کرے تاکہ قوّت اور طاقت دیوے۔

دُنیا میں جس قدر مشغولے نفس پرستی اور شہوت پرستی وغیرہ کے ہوتے ہیں، ان سب کا ماخذ نفسِ امّارہ ہی ہے لیکن انسان اگر کوشش کرے تو اسی امّارہ سے پھر وہ لوّامہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ کوشش میں ایک برکت ہوتی ہے اور اس سے بھی بہت کچھ تغیرات ہو جاتے ہیں۔ پہلوانوں کو دیکھو کہ وہ ورزش اور محنت سے بدن کو کیا کچھ بنا لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ محنت اور کوشش سے نفس کی اصلاح نہ ہو سکے نفسِ امّارہ کی مثال آگ کی ہے جو کہ مشتعل ہو کر ایک جوش طبیعت میں پیدا کرتا ہے جس سے انسان حدِّ اعتدال سے گذر جاتا ہے لیکن جیسے پانی آگ سے گرم ہو کر آگ کی مثال ہو جاتا ہے اور جو کام آگ سے لیتے ہیں وہ اس سے بھی لے لیتے ہیں مگر جب اسی پانی کو آگ کے اُوپر گرایا جاوے تو وہ اس آگ کو بُجھا دیتا ہے کیونکہ ذاتی صفت اُس کی آگ کو بُجھانا ہے، وہ وہی رہے گی۔ ایسے ہی اگر انسان کی رُوح نفسِ امّارہ کی آگ سے خواہ کتنی ہی گرم کیوں نہ ہو مگر جب نفس سے مقابلہ کرے گی اور اُس کے اُوپر گرے گی تو اُسے مغلوب کر کے چھوڑے گی۔ بات صرف اتنی ہے کہ خدا کو ہر ایک بات پر قادرِ مطلق مانا جاوے اور کسی قسم کی بدظنّی اُس پر نہ کی جاوے۔ جو بدظنّی کرتا ہے وہی کافر ہوتا ہے۔ مومن کی صفات میں سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو غایت درجہ قادر جانے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہت نیکیاں کرنے سے انسان ولی بنتا ہے یہ نادانی ہے۔ مومن کو تو خدا نے اوّل ہی ولی بنایا ہے جیسے کہ فرمایا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا [۳/۲]۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہزاروں عجائبات ہیں اور اُنہیں پر کھُلتے ہیں جو دل کے دروازے کھول کر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخیل نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص مکان کا دروازہ خود ہی نہیں کھولتا تو پھر روشنی کیسے اندر آوے۔ پس جو شخص خدا کی طرف رجوع کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اُس کی طرف رجوع کرے گا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جہاں تک بس چل سکے وہ اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے

پھر جب اس کی کوشش اس کے اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچے گی تو وہ خدا کے نور کو دیکھ لے گا۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (پ ۲۱) میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ جو حق کوشش کا اس کے ذمہ ہے اسے بجا لائے۔ یہ نہ کرے کہ اگر پانی ۲۰ ہاتھ نیچے کھودنے سے نکلتا ہے تو وہ صرف ۲ ہاتھ کھود کر ہمت ہار دے۔ ہر ایک کام میں کامیابی کی یہی جڑ ہے کہ ہمت نہ ہارے۔ پھر اس اُمت کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی پورے طور سے دعا و تزکیۂ نفس سے کام لے گا سب وعدے قرآن شریف کے اس کے ساتھ پورے ہو کر رہیں گے۔ ہاں جو خلاف کرے گا وہ محروم رہے گا۔ کیونکہ اس کی ذات غیور ہے۔ اس نے اپنی طرف آنے کی راہ ضرور رکھی ہے لیکن اس کے دروازے تنگ بنائے ہیں۔ پہنچتا وہی ہے جو تلخیوں کا شربت پی لیوے۔ لوگ دنیا کی فکر میں درد برداشت کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض اسی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے ایک کانٹے کی درد بھی برداشت کرنا پسند نہیں کرتے۔ جب تک اس طرف سے صدق اور صبر اور وفاداری کے آثار ظاہر نہ ہوں تو اُدھر سے رحمت کے آثار کیسے ظاہر ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے صدق دکھلایا تو اُن کو ابوالانبیاء بنا دیا۔ میرے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ دن بہت سخت ہیں اور کسی نے اب تک نہیں سمجھا تو آئندہ سمجھ لیوے۔ مجھے الہام ہوا تھا **عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّھَا وَمُقَامُھَا**۔ یہ ایک خطرناک کلمہ ہے جس میں طاعون کی خبر دی گئی ہے کہ انسان کے لئے کوئی مفر اور کوئی جائے پناہ نہ رہے گی۔ اس لئے میں تم سب کو گواہ رکھتا ہوں کہ اگر کوئی سچی تبدیلی نہ کرے گا تو وہ ہرگز اس لائق نہ ہوگا کہ مجھ کو دعا کے لئے لکھے۔ جو لوگ خدا کے بتلائے ہوئے **صراط مستقیم** پر چلیں گے وہی محفوظ رہیں گے۔ خدا کا وعدہ ایسے ہی لوگوں کی حفاظت کا ہے جو سچی تبدیلی اپنے اندر کرتے ہیں۔ مطلق بیعت انسان کے کیا کام آسکتی ہے۔ پورا نسخہ جب تک نہ پیے تو مریض کو فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے پوری تبدیلی کرنی چاہئے۔ جہاں تک ہو سکے دعا کرو اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ وہ تم کو ہر ایک قسم کی توفیق عطا کرے۔" (تقریر ۳۰ر دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء)

رضائے الٰہی

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"خدا کی رضامندی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک خدا کو مقدم نہ کیا جائے۔"

(البلاغ المبین)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عربی کلام

فِي مَدْحِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَا كَنْزَ نِعَمِ اللّٰهِ وَالْآلَاءِ	يَسْعَى إِلَيْكَ الْخَلْقُ لِلْإِرْكَاءِ
اے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے خزانے	لوگ پناہ کے لئے آپ کی جناب میں حاضر ہو رہے ہیں۔
يَا بَدْرَ نُورِ اللّٰهِ وَالْعِرْفَانِ	تَهْوِي إِلَيْكَ قُلُوبُ أَهْلِ صَفَاءِ
اے خدا کے نور اور عرفان کے چاند!	اہلِ صفاء کے دل آپ کی طرف لپکتے ہیں۔
يَا شَمْسَنَا يَا مَبْدَءَ الْأَنْوَارِ	نَوَّرْتَ وَجْهَ الْمُدْنِ وَالْبَيْدَاءِ
اے ہمارے آفتاب اور اے انوار کے منبع!	آپ نے شہروں اور جنگلوں کو روشن کر دیا
مَا جِئْتَنَا فِي غَيْرِ وَقْتِ ضَرُورَةٍ	قَدْ جِئْتَ مِثْلَ الْمُزْنِ فِي الرَّمْضَاءِ
آپ بے وقت اور بے ضرورت نہیں آئے۔	آپ سخت گرم موسم میں بارش کی طرح عین ضرورت پر آئے ہیں۔
إِنِّي رَأَيْتُ الْوَجْهَ وَجْهَ مُحَمَّدٍ	وَجْهٌ كَبَدْرِ اللَّيْلَةِ الْبَلْمَاءِ
خدا کی قسم میں نے محمد رسول اللہ صلعم کا خوبصورت چہرہ دیکھا ہے	آپ کا چہرہ ایسا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند۔
شَمْسُ الْهُدَى طَلَعَتْ لَنَا مِنْ مَكَّةٍ	عَيْنُ النَّدَى نَبَعَتْ لَنَا بِحِرَاءِ
ہدایت کا چاند ہم پر مکہ سے طلوع ہوا	اور بخشش کا چشمہ حراء سے ہم پر پھوٹ پڑا۔
نِلْنَا ثُرَيَّا السَّمَاءِ وَسَمْكَهُ	لِنَرُدَّ إِيمَانًا إِلَى الصَّيْدَاءِ
ہم آسمان کی چھت اور ثریا تک پہنچ گئے ہیں۔	تاکہ ایمان کو زمین پر واپس لائیں۔

(منن الرحمٰن)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فارسی کلام

کاملاں را بس ہمیں پیمانہ است

کامل آں باشد کہ با فرزند و زن
باعیال و جملہ مشغولیٔ تن

کامل وہ ہوتا ہے جو باوجود بیوی بچوں کے اور باوجود عیال اور جسمانی مشاغل کے

با تجارت باہمہ بیع و شرا
یک زماں غافل نہ گردد از خدا

اور باوجود تجارت اور خرید و فروخت کے کسی وقت بھی خدا سے غافل نہیں ہوتا۔

ایں نشانِ قوّتِ مردانہ است
کاملاں را بس ہمیں پیمانہ است

یہ ہے نشان جوانمردی کا اور کاملوں کو پرکھنے کا بس یہی معیار ہے۔

سوختہ جانے زعشقِ دلبرے
کے فراموشش کند با دیگرے

جس کی جان دلبر کے عشق میں جلی ہوئی ہو وہ اُس کو بھول کر کسی اور کی طرف کب توجہ کر سکتا ہے۔

او نظر دارد بغیر و دل بہ یار
دست در کار و خیال اندر نگار

وہ بظاہر غیر کی طرف نظر رکھتا ہے لیکن دل یار کی طرف ہی ہوتا ہے۔ ہاتھ کام میں ہوتا ہے لیکن خیال محبوب کی طرف۔

دل طپاں در فرقتِ محبوبِ خویش
سینہ از ہجرانِ یارے ریش ریش

اپنے محبوب کی فرقت میں اس کا دل تڑپتا ہے اور یار کے ہجر میں اس کا سینہ زخمی رہتا ہے۔

اوفتادہ دُور از رُوئے کسے
دل دواں ہر لحظہ در کُوئے کسے

وہ کسی کے چہرے سے دُور پڑا ہوا ہوتا ہے مگر دل اس کا ہر وقت کسی کے کُوچہ میں دوڑ رہا ہوتا ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم)

خدائی جماعتوں کا ایک خصوصی امتیاز

(رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز)

انبیاء کی جماعتیں دُنیا میں بہترین اخلاق کی حامل اور اخلاقِ حسنہ کو دُنیا میں قائم کرنے والی ہوتی ہیں۔ ان اخلاق میں سے ایک اہم خُلق راستبازی و دیانت ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبات اور تقاریر میں اِس اہم خُلق کی طرف جماعت کی توجہ بار بار مبذول کرائی ہے۔ ذیل میں ہم تفسیر کبیر جلد پنجم جزو اوّل میں سے حضور کے ارشادات نقل کرتے ہیں، ان ارشادات میں حضور نے راستبازی اور دیانت پر قائم ہونے اور دوسروں کو قائم کرنے پر زور دیا ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ جو لوگ سچائی اور دیانت کا نمونہ دکھاتے ہیں وہ اپنی قوم کو چار چاند لگا دیتے ہیں اور جو لوگ یہ نمونہ نہیں دکھاتے وہ اپنی قوم کا گلا کاٹنے والے ہوتے ہیں۔ (ادارہ)

"حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کی جماعتوں کی علامتوں میں سے ایک بڑی بھاری علامت راستبازی ہوتی ہے اور یہ علامت ایسی ہے جو اپنی ذات میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ دُنیا میں بہت سے لوگ راستبازی کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتے۔ خصوصیت کے ساتھ اِس زمانہ میں یہ مرض زیادہ پایا جاتا ہے کیونکہ یہ زمانہ مداہنت اور نفاق کا زمانہ ہے اور تہذیب کے معنے آجکل یہ سمجھے جاتے ہیں کہ بات کرنیوالا دوسرے کے خیالات کا اِس حد تک خیال رکھے کہ اگر اُسے سچائی بھی چھپانی پڑے تو اس سے دریغ نہ کرے۔ مگر زمانہ کی رَو کے باوجود ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اِس بدی کا پُورے زور سے مقابلہ کرے اور اِسے کچلنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے کیونکہ جھوٹ بولنے والا دوسروں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے اور دھوکہ ایک ایسی چیز ہے جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ پس جھوٹ بولنے والا صرف اخلاقی مجرم ہی نہیں بلکہ بنی نوعِ انسان کا دشمن اور انہیں تباہ کرنے والا بھی ہے۔ اِس عیب کو مٹانا ہر سچے اور مخلص مسلمان کا فرض ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اُس کی ایک علامت یہ ہے کہ جب وہ بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ اور منافق کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے

دوزخ کے سخت ترین مقام میں رکھا جائے گا۔ گویا خدا تعالیٰ منافقوں کے ساتھ کفار سے بھی سخت معاملہ کریگا اسلئے کہ کافر کی وجہ سے تو کافر کو ہی نقصان پہنچتا ہے مگر منافق کی وجہ سے مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے جو قوم اپنے افراد میں سے جھوٹ نہیں مٹا سکتی اور اس کے باوجود وہ یہ سمجھتی ہے کہ اُسے ترقی اور عزت حاصل ہو جائے گی اُس کا یہ خیال ایسا ہی خام ہے جیسے ایک بچہ کا یہ خیال کہ وہ چاند کے پاس پہنچ جائیگا یا ستاروں کے پاس پہنچ جائے گا۔ جس طرح ایک بچہ کی چاند یا ستاروں تک پہنچنے کی خواہش ناکام رہتی ہے اسی طرح وہ قوم جس کے اندر جھوٹ پایا جاتا ہو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور راست بازی کا یہ حال تھا کہ آپؐ کا دشمن بھی اقرار کرتا تھا کہ آپؐ سچائی کے اعلیٰ مقام پر ہیں۔ چنانچہ جب آپؐ پر یہ وحی نازل ہوئی کہ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو آپؐ نے صفا پر چڑھ کر مکہ کے لوگوں کو بلانا شروع کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بہت بڑا دشمن تم پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہے تو کیا تم میری بات مان لوگے؟ اب بظاہر یہ ناممکن تھا کہ اتنی بڑی فوج وہاں جمع ہو اور مکہ والوں کو اس کا علم نہ ہو۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہاں ہم مان لیں گے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اسی طرح جب قیصر روما نے ابوسفیان کو اپنے دربار میں بلا کر اس سے پوچھا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھیوں نے تمہارے ساتھ کبھی جھوٹا معاہدہ کیا ہے تو ابوسفیان نے کہا کہ پچھلے افعال کے متعلق تو میں کوئی گرفت نہیں کرتا لیکن اب انہوں نے ایک نیا معاہدہ کیا ہے دیکھیں وہ عہد شکنی کرتے ہیں یا نہیں۔ اس پر قیصر نے کہا کہ آئندہ کا ذکر جانے دو۔ جب اس نے پیچھے تمہارے ساتھ کوئی عہد شکنی نہیں کی تو یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ آئندہ بھی نہیں کرے گا تو شدید سے شدید دشمن کو بھی جو آپ سے لڑائی کر رہا تھا یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ آپ کے متعلق یہ کہے کہ آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہے یا کوئی معاہدہ شکنی کی ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے مسلمان جب کسی ملک میں جاتے تو وہاں کے باشندے ان کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر ان کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے کہ وہ اپنے ہم قوم اور اپنے ہم مذہب افراد سے بھی ان کی زیادہ عزت کرتے اور ان کی سلامتی کی دعائیں کرتے۔ چنانچہ تاریخ میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے جب حمص پر قبضہ کر لیا، جو رومیوں کے قبضہ میں تھا تو کچھ عرصہ کے بعد مسلمانوں کو دوبارہ دشمن کے حملہ کا خطرہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے مناسب سمجھا کہ اُس وقت حمص کو خالی کر دیا جائے۔ اس فیصلہ کے بعد مسلمانوں نے وہاں کے عیسائیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ ہم تم سے جزیہ وصول کر چکے ہیں مگر یہ جزیہ اس شرط کے ماتحت لیا گیا تھا کہ ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ اب چونکہ خود ہمارے لئے ایک نازک صورت حال پیدا ہو گئی ہے اور ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے

اِس لئے ہم جزیہ کی رقم تمہیں واپس کرتے ہیں۔ چنانچہ کئی لاکھ روپیہ جو عیسائیوں سے جزیہ کے طور پر لیا گیا تھا انہیں واپس کر دیا گیا۔ اِس اعلیٰ درجہ کے نمونہ کا ان عیسائیوں پر اتنا اثر ہوا کہ جب اسلامی لشکر روانہ ہوا تو وہ ساتھ ساتھ روتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو دوبارہ ہم میں واپس لائے۔ اور یہودی بھی بڑے جوش سے کہتے جاتے تھے کہ تورات کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔

غرض سچائی ایسی چیز ہے کہ اس کے بغیر کسی قوم کا رعب قائم نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ سچائی اور دیانت کا نمونہ دکھاتے ہیں وہ اپنی قوم کو چار چاند لگا دیتے ہیں اور جو لوگ یہ نمونہ نہیں دکھاتے وہ اپنی قوم کا گلا کاٹنے والے ہوتے ہیں۔" (تفسیر کبیر جلد پنجم جزء اول ص۴۲ تا ۴۳)

راستبازی، صدق اور سچائی

حضرت مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"وہ کیا چیز تھی جس نے انجام کار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح و ظفر بخشی؟ یقیناً سمجھو کہ یہی راستبازی اور صدق اور پاک باطنی اور سچائی تھی۔ سو بھائیو! اس پر قدم مارو اور اس گھر میں بہت زور کے ساتھ داخل ہو۔ پھر عنقریب دیکھ لوگے کہ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ وہ خدا جو آنکھوں سے پوشیدہ مگر سب چیزوں سے زیادہ چمک رہا ہے جس کے جلال سے فرشتے بھی ڈرتے ہیں وہ شوخی اور چالاکی کو پسند نہیں کرتا اور ڈرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔ سو اُس سے ڈرو اور ہر ایک بات سمجھ کر کہو۔ تم اُس کی جماعت ہو جن کو اُس نے نیکی کا نمونہ دکھانے کے لئے چُنا ہے۔ سو جو شخص بدی نہیں چھوڑتا اور اُس کے لب جھوٹ سے اور اُس کا دل ناپاک خیالات سے پرہیز نہیں کرتا وہ اِس جماعت سے کاٹا جائے گا۔" (تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۶۵)

غیر مطبوعہ

آپ بیتی

(حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۶)

ذیل میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرکۃ الآراء تصنیف "آپ بیتی" کے غیر مطبوعہ حصّہ کی چھٹی قسط ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہے۔ اِس کا مسوّدہ محترم جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی نے ماہنامہ "انصار اللہ" کو برائے اشاعت عنایت فرمایا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

(ادارہ)

"قوّتِ رُوحانی!!"

ایک شہر کا ذکر ہے کہ وہاں ایک دفعہ ایک جینی مذہبی لیڈر اپنے مریدوں کے پاس تشریف لائے۔ جینی ایک فرقہ اہلِ ہنود کا ہے جس کے پنڈت عموماً مُنہ کے آگے کپڑے کا ایک ٹکڑا لٹکائے پھرتے ہیں۔ جن لیڈر کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ آل انڈیا شہرت کے مالک تھے اور کئی کئی سالوں کے بعد اِس شہر میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اِس دفعہ جب وہ آئے تو آریوں کا فرقہ وہاں زوروں پر تھا۔ انہوں نے حُکّام کو عرضیاں دینی شروع کیں کہ یہ لیڈر ہمارے محلّوں میں سے نہ گزرے، بلکہ بہتر ہو کہ ہمارے شہر میں ہی نہ آئے ورنہ فساد کا ڈر ہے، ہم اِس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔ دوسری طرف جینی صاحبان کو بھی اصرار تھا کہ جب ہمارے گرو صاحب یہاں ہمیشہ سے آتے ہیں تو اِس دفعہ ان کا روکنا مذہبی آزادی میں مداخلت ہے۔ میں نے اِس جھگڑے کو سُنا تو پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ بڑے گرو صاحب چونکہ بالکل برہنہ رہتے ہیں اور برہنہ ہی شہر کے گلی کوچوں میں سے گزرتے ہوئے "جین مندر" میں جائیں گے اِس لئے آریوں کو یہ اعتراض ہے کہ یہ بات تہذیب کے برخلاف ہے۔ چونکہ ہماری گلیوں میں سے ان کا جلوس گزرے گا اس لئے ہم برداشت نہیں کر سکتے کہ ہماری عورتیں اپنے کوٹھوں پر سے گرو صاحب کو دیکھیں۔

پہلے اس شہر میں آریہ سماج کا زور نہ تھا اس لئے اس جلوس پر کوئی معترض نہ ہوتا تھا مگر اب یہ بات نہیں ہونے پائے گی۔ خیر، جھگڑا اور عرضی پرچے ہو کر حکام ضلع نے یہ فیصلہ کیا کہ جلوس سٹیشن سے فلاں فلاں راستے ہو کر جین مندر پہنچ جائے۔ اس راستہ میں صرف جینی ہی جینی رہتے ہیں اور کسی فساد کا احتمال نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خاکسار کو بھی چونکہ اس معاملہ سے دلچسپی ہو گئی تھی اس لئے میں نے بعض معزز جینیوں سے اُن گرو صاحب اور اُن کی بزرگی کے سبب کی بابت پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے گرو صاحبان جب روحانی ترقی کرتے کرتے ایک اعلیٰ اور خاص درجہ پر پہنچ جاتے ہیں تو ایک مذہبی مجلس منعقد ہوتی ہے جو انہیں امتحان لے کر پاس یا فیل کرتی ہے۔ جینی پنڈت صاحبان برسوں نفس کشی، تپسیا اور یوگ وغیرہ کی مشقیں کر کے جب کامل ہو جاتے ہیں تو وہ بغیر ایک خاص امتحان کے گرو کے درجہ پر فائز نہیں کئے جاتے۔ اور امتحان یوں لیا جاتا ہے کہ ان کو ایک جگہ برہنہ بٹھا کر نہایت درجہ حسین اور نوجوان عورتیں اُن کے سامنے آ کر ڈنڈوت کرتی ہیں اور ان کے جسم سے مَس کرتی ہیں۔ اُس وقت ممتحن صاحبان جو خود بھی بڑے بڑے ودوان پنڈت ہوتے ہیں دیکھتے ہیں کہ گرو صاحب کو واقعی اپنے آپ پر اتنا ضبط ہے کہ قطعاً کسی شہوانی تحریک کے آثار اُن میں پیدا نہیں ہوئے۔ اس کے بعد آخر میں ایک نہایت مکروہ صورت بدبودار کپڑوں میں ملبوس بڑھیا ستّر سالہ جسے دیکھ کر نفرت اور رقت آئے وہ بھی اسی طرح اُن کے آگے پیش ہوتی ہے اور ممتحن صاحبان فرماتے ہیں کہ مہاراج اب اپنے کام دیوتا کا اظہار کرو۔ اگر اُس وقت گرو صاحب اس مرحلہ میں بھی پاس ہو جائیں تو پھر وہ کامیاب اور پاس شدہ گرو قرار دیئے جاتے ہیں اور آئندہ کے لئے برہنہ پھرنے کے حقدار ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اُن کا نفسِ امّارہ کامل طور پر اُن کے قبضہ میں ہے۔ امتحان کا دوسرا حصہ واقعی نہایت سخت ہوتا ہے اور اکثر امیدوار اس میں فیل ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

داڑھی اُستاد کے قدموں میں

امرتسر میں ایک صاحب میاں محکم دین مختارِ عدالت ہوا کرتے تھے۔ وہ ہمارے دوست تھے اور بہت حد تک ملاقاتی بھی۔ ایک دن ایک بزرگ کے پاس بیٹھے تھے، اُن بزرگ نے بیماری کی وجہ سے بجائے وضو کے ایک کچی اینٹ پر تیمّم کیا۔ کہنے لگے کہ حضور یہ اینٹ مجھے عنایت کر دیں۔ بزرگ نے فرمایا بے شک لے جائیں۔ وہ اس اینٹ کو اپنے سر پر رکھ کر پیدل بارہ میل نزدیک ترین ریلوے اسٹیشن تک گئے اور وہاں سے اپنے وطن۔ حالانکہ بچے، ملازمین وغیرہ سب موجود تھے۔ اسی طرح ایک دن انہوں نے اپنے منشی کو کہا کہ

کل ایک مقدمہ عدالت میں ہے ذرا تم سویرے آنا۔ منشی جب آیا تو کہنے لگا کہ آپ کے کہنے کے مطابق حاضر ہو گیا ہوں مگر ہمارے گھر میں آج لکڑی نہیں ہے دیکھئے روٹی کیونکر پکتی ہے۔ یہ سن کر وہ منشی کو مقدمے کی مسل دے کر چپکے سے باہر چل دیئے اور ایک روپیہ کی لکڑیاں ٹال پر سے خرید کر اپنے سر پر اٹھا کر بازار میں سے گزرتے ہوئے منشی جی کے ہاں ڈال آئے۔ منشی کی بیوی نے سمجھا کہ کوئی مزدور ہو گا جسے میرے میاں نے بھیجا ہے۔ ایک دفعہ میونسپل کمیٹی کی پیشاب کی گاڑی، جو لوہے کی ہوتی ہے اور جس کے آگے ایک بیل لگا ہوا ہوتا ہے امرتسر کے بازار میں سے گزر رہی تھی۔ آپ نے اس کے ڈرائیور حلال خور کو کہا کہ ذرا گاڑی پر مجھے بیٹھ لینے دے اور تو اس پر سے اتر آ، میں تجھے ایک آنہ کے پیسے دوں گا۔ وہ اتر پڑا اور یہ اس کی جگہ بیٹھ کر گاڑی چلانے لگے۔ چونکہ ماہر نہ تھے بیل پر پورا قابو نہ رکھ سکے اور اس گاڑی کا ایک پہیا تھوڑی دور آگے جا کر نالی میں جا پڑا۔ گاڑی الٹ گئی اور بچارے خود سر سے پیر تک پیشاب میں شرابور ہو گئے اور جلدی سے ایک آنہ گاڑی والے کو دیکر وہاں سے گھر کو چل دیئے۔ مگر سب سے بڑا ان کا لطیفہ یہ ہے کہ وہ حدیث کا سبق ایک غزنوی مولوی صاحب سے روزانہ پڑھا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کی عادت تھی کہ جب وہ غلط پڑھتے تو ان کی ڈاڑھی پکڑ کر ہلا دیا کرتے تھے۔ ایک دن محکم دین صاحب نے گھر آکر اپنی ڈاڑھی منڈائی اور اسے ایک رومال میں باندھ کر اور خود منہ پر پگڑی کا پلہ باندھ کر اور اپنا آدھا چہرہ چھپا کر سبق پڑھنے چلے گئے۔ ڈاڑھی کے بال بھی ساتھ ہی لے گئے۔ استاد کے سامنے بیٹھ کر جب سبق سنانے لگے تو پھر کہیں پڑھنے میں غلطی ہو گئی۔ انہوں نے حسب عادت شاگرد کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو آپ نے فوراً وہ رومال جس میں ڈاڑھی بندھی ہوئی تھی آگے کر دیا اور عرض کیا کہ آپ کو میری ڈاڑھی کھینچنے کا شوق ہے میں صرف آدھ گھنٹہ کے لئے یہاں آتا ہوں آج سے میں نے مستقل بندوبست کر دیا ہے کہ یہ ڈاڑھی آپ کے پاس ہی چوبیس گھنٹے موجود رہے اور بے شک آپ ہر وقت اس سے کھیلا کریں۔ یہ کہہ کر اپنا چہرہ کھول دیا۔ بس پھر کچھ نہ پوچھئے۔ مولوی صاحب تھے اہل حدیث اور ڈاڑھی منڈانا ان کے نزدیک سب سے بڑا کفر تھا۔ بچارے کو مارتے مارتے مسجد سے نکال دیا اور اس طرح ان کی خلاصی ہوئی ٭　　(باقی)

اسلام کیا ہے؟

"اسلام کیا ہے؟ بس گردن رکھ دینا۔ یہ عبودیت کے مقام کا اعلیٰ درجہ ہے اور تمام اسلامی تعلیم کا لب لباب بھی یہی ہے۔"　　(البلاغ المبین ص۱۷)

حشر

(مکرم عبد المنّان صاحب ناہید)

جب دن کی ضیا ہو شبِ دیجور میں تبدیل
افلاک سے ہوتی ہے پھر انوار کی تنزیل
کچھ ایسے بدلتے ہیں خد و خالِ زمانہ
جیسے کوئی اِک تازہ جہاں کرتا ہو تشکیل
آتا ہے کوئی بندۂ حق کیش فلک سے
کرتا ہے جو احکامِ خداوند کی تفصیل
وہ صرصرِ الحاد میں بھی رکھتا ہے روشن
ظلمت کدۂ کفر میں ایمان کی قندیل
انکار پہ مائل نظر آتا ہے زمانہ
اور عقلِ رسا کرتی ہے ایمان میں تعجیل
وہ مصدرِ الہام سے پاتا ہے تجلّی
ہوتی ہے نوا اُس کی پیامِ لبِ جبریل

ہر جنبشِ لب اُس کی ہوا کرتی ہے ناہید
احساس کے مُردوں کے لئے صورِ اسرافیل

زندہ مذہب کا زندہ نشان

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں عیسائی مشنری ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ میں اس قدر سرگرم تھے اور اس کے نتائج سے اس قدر مطمئن کہ انہیں اس امر کا یقین ہوگیا تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان بھر میں عیسائیت غالب آجائے گی۔ چنانچہ ۱۸۸۳ء میں پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر چارلس ایچی سن نے شملہ میں اس امر پر مسرت اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ:۔

"جس رفتار سے ہندوستان کی معمولی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اس سے چار گنا تیز رفتاری سے عیسائیت اس ملک میں پھیل رہی ہے۔"

("دی مشنز" از ریورنڈ رابرٹ کلارک)

اسلام کے بطلِ جری، کاسرِ صلیب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام ان حالات کو دیکھ کر بھلا کیسے خاموش رہ سکتے تھے؟ آپ نے عیسائی مشنریوں کو چیلنج کیا کہ اگر عیسائی مذہب سچا ہے تو اس کی صداقت کے لئے کوئی زندہ نشان دکھائیں حضور علیہ السلام نے دعویٰ فرمایا کہ وہ عیسائیت کے بالمقابل اسلام کی صداقت کے لئے زندہ نشان دکھانے کے لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے تیار ہیں چنانچہ حضور علیہ السلام نے اس موقعہ پر عیسائیوں کو مباہلہ کا چیلنج دیتے ہوئے فرمایا:۔

"صرف اس قدر کافی ہے کہ فریقین صرف اپنے مذہب کی تائید کے لئے خدا تعالیٰ سے آسمانی نشان چاہیں اور ان نشانوں کے ظہور کے لئے ایک سال کی میعاد قائم ہو پھر جس فریق کی تائید میں کوئی نشان ظاہر ہو جو انسانی طاقتوں سے بڑھ کر ہو جس کا مقابلہ فریق مخالف سے نہ ہو سکے تو لازم ہوگا کہ فریق مغلوب اس فریق کا مذہب اختیار کرے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے آسمانی نشان کے ساتھ غالب کیا ہے اور مذہب اختیار کرنے سے اگر انکار کرے ۔۔۔۔ تو واجب ہوگا کہ اپنی نصف جائداد اس سچے مذہب کی امداد کی غرض سے فریق غالب کے حوالے کر دے۔"

(جنگِ مقدس بحوالہ روحانی خزائن جلد ششم ص۱۷۲)

نیز فرمایا:۔

"اگر ایک سال کے عرصہ میں دونوں طرف سے کوئی نشان ظاہر نہ ہو یا دونوں طرف سے ظاہر ہو تو یہ راقم اس صورت میں بھی اپنے تئیں مغلوب سمجھے گا اور ایسی سزا کے لائق ٹھہرے گا جو بیان ہو چکی ہے چونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں اور فتح پانے کی بشارت پا چکا ہوں پس اگر کوئی عیسائی صاحب میرے مقابل آسمانی نشان دکھلاویں یا میں ایک سال تک نہ دکھلا سکوں تو میرا باطل پر ہونا کھل گیا ۔۔۔۔ میری سچائی کے لئے ضروری ہے کہ میری طرف سے بعد مباہلہ ایک سال کے اندر ضرور نشان ظاہر ہو اور اگر نشان ظاہر نہ ہو تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں"۔ (جنگِ مقدس بحوالہ روحانی خزائن جلد ششم صفحہ ۴۹)

چنانچہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء سے ۵ جون ۱۸۹۳ء تک کے دوران امرتسر میں حضور علیہ السلام اور پادری عبد اللہ آتھم صاحب کے درمیان جو تحریری مباحثہ ہوا اس میں حضور علیہ السلام نے بار بار فریقِ مخالف کو اسکی طرف توجہ دلائی مگر وہ نشان دکھانے کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہوئے حتیٰ کہ پادری عبد اللہ آتھم صاحب نے نشان دکھانے سے انکار کرتے ہوئے ایک خط میں یہاں تک لکھ دیا کہ :-

"تعلیمات خدایہ کے لئے معجزہ جدید کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے ہم معجزہ کے لئے نہ کوئی حاجت اور نہ استطاعت اپنے اندر رکھتے ہیں ۔۔۔۔ ہاں بہر کیف اگر جناب کسی معجزہ کے دکھلانے پر آمادہ ہیں تو ہم اس کے دیکھنے سے آنکھیں بند نہ کریں گے اور جس قدر اصلاح اپنی غلطی کی آپ کے معجزہ سے کر سکتے ہیں اس کو اپنا فرض عین سمجھیں گے"۔

(جنگِ مقدس بحوالہ روحانی خزائن جلد ششم صفحہ ۵۲)

پادری عبد اللہ آتھم صاحب نے حضور کی اس دعوتِ مقابلہ کو تو قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ بقول ان کے وہ اپنے اندر اس کی استطاعت نہ رکھتے تھے البتہ کئی دن کے غور و فکر کے بعد انہوں نے ایک منصوبہ بنایا جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ اس وار کے ذریعہ حضور کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ ۲۶ مئی ۱۸۹۳ء کو مباحثہ کے دوران پادری صاحب نے یہ بیان لکھوایا کہ :-

"ہم سچی پرانی تعلیمات کے لئے نئے معجزات کی کچھ ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ ہم اس کی استطاعت اپنے اندر رکھتے ہیں ۔۔۔۔ اور نشانات کا دعویٰ ہم سے نہیں لیکن جناب کو اس کا بہت سا ناز ہے ہم بھی دیکھنے معجزہ سے انکار نہیں کرتے ۔۔۔۔ پس ہم تین شخص پیش کرتے ہیں جن میں ایک اندھا ایک ٹانگ کٹا اور ایک گونگا ہے ان میں سے کسی کو صحیح و سالم کر سکو کر دو اور جو اس معجزہ سے ہم پر فرض ہوا جب ہو گا ہم ادا کر دیں گے آپ بقول خود ایسے خدا کے

قائل ہیں جو گفتنہ قادر نہیں لیکن درحقیقت قادر ہے تو وہ اُن کو تندرست بھی کر سکے گا۔ پھر اس میں تأمل کی کیا ضرورت ہے۔" (اہل اسلام اور عیسائیوں میں مباحثہ۔ روحانی خزائن جلد ششم صفحہ ۱۵/۱۵۱)

حاضرین میں سے مسلمان بالعموم یہ بات سُن کر کچھ نہ کچھ پریشان ہوئے ہوں گے مگر عیسائی اس سے بہت خوش تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہ ایک ایسا وار ہے جس کے نتیجے میں اُن کی فتح یقینی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چہرے پر کسی قسم کی پریشانی کے آثار نہ تھے۔ جب پادری صاحب اپنا جواب لکھوا چکے تو حضور نے اپنا بیان لکھواتے ہوئے نہایت جلال کے ساتھ فرمایا:۔

"آپ کے مذہب میں حضرت عیسیٰ نے جو نشانیاں نجات یافتہ بندوں یعنی حقیقی ایمانداروں کی لکھی ہیں وہ آپ میں کہاں موجود ہیں جیسے مرقس ۱۶/۱۷ میں لکھا ہے

"اور وُے جو ایمان لائیں گے اُن کے ساتھ یہ علامتیں ہوں گی وُے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے۔"

تو اب مَیں بادب التماس کرتا ہوں اور اگر ان الفاظ میں کچھ درشتی یا مرارت ہو تو اس کی معافی چاہتا ہوں کہ تین بیمار جو آپ نے پیش کئے ہیں یہ علامت تو بالخصوص مسیحیوں کیلئے حضرت عیسیٰ قرار دے چکے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے ایماندار ہو تمہاری یہی علامت ہے کہ بیمار پر ہاتھ رکھو گے تو وہ چنگا ہو جائے گا۔ اب گستاخی معاف اگر آپ کو سچے ایماندار ہونے کا دعویٰ ہے تو اس وقت تین بیمار آپ ہی کے پیش کردہ موجود ہیں آپ ان پر ہاتھ رکھیں اگر وہ چنگے ہو گئے تو ہم قبول کر لیں گے کہ بے شک آپ سچے ایماندار اور نجات یافتہ ہیں ورنہ کوئی قبول کرنے کی راہ نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوتا تو اگر تم پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے چلا جا تو وہ چلا جاتا۔ مگر خیر میں اس وقت پہاڑ کی نقل مکانی تو آپ سے نہیں چاہتا کیونکہ وہ ہماری اس جگہ سے دُور ہیں۔ لیکن یہ تو بہت اچھی تقریب ہو گئی ہے کہ بیمار تو آپ نے ہی پیش کر دیئے اب آپ ان پر ہاتھ رکھو اور چنگا کر کے دکھاؤ ورنہ ایک رائی کے دانہ کے برابر ایمان بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ مگر آپ پر یہ واضح رہے کہ یہ الزام ہم پر عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ جلشانہ نے قرآن کریم میں ہماری یہ نشانی نہیں رکھی کہ بالخصوص تمہاری یہی نشانی ہے کہ جب تم بیماروں پر ہاتھ رکھو گے تو چنگے ہو جائیں گے۔ بلکہ فرمایا کہ میں اپنی رضا اور مرضی کے موافق تمہاری دُعاؤں کو قبول کروں گا اور کم سے کم یہ کہ اگر ایک دُعا قبول کرنے کے لائق نہ ہو

اور مصلحت الٰہی کے مخالف ہو تو اس ہی اطلاع دی جائے گی۔ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم کو یہ اقتدار دیا جائے گا کہ اقتداری طور پر جو چاہو کر گزرو گے۔ مگر مسیح کا تو یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیماروں وغیرہ کے چنگا کرنے میں اپنے تابعین کو اختیار بخشتے ہیں جیسا کہ متی باب ۱۰ میں لکھا ہے ..... اب یہ آپ کا فرض اور آپ کی ایمانداری کا ضروری نشان ہو گیا کہ ان بیماروں کو چنگا کر کے دکھلا دیں یا یہ اقرار کریں کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ہم میں ایمان نہیں ..... اور آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ اب بھی حضرت مسیح زندہ، حیّ و قیوم، قادر مطلق عالم الغیب دن رات آپ کے ساتھ ہے جو چاہو وہی دے سکتا ہے۔ پس آپ حضرت مسیح سے درخواست کریں کہ ان تینوں بیماروں کو آپ کے ہاتھ سے اچھا کر دیویں تا نشانی ایمانداری کی آپ میں باقی رہ جائے ورنہ یہ تو مناسب نہیں کہ ایک طرف تو اہل حق کے ساتھ بحیثیت عیسائی ہونے کے مباحثہ کریں اور جب سچے عیسائی کے نشان مانگے جائیں تب کہیں کہ ہم میں استطاعت نہیں۔ اس بیان سے تو آپ اپنے پر اقبالی ڈگری کراتے ہیں کہ آپ کا مذہب اس وقت زندہ مذہب نہیں ہے۔ لیکن ہم جس طرح پر خدا تعالیٰ نے ہمارے سچے ایماندار ہونے کے نشان ٹھہرائے ہیں اس التزام سے نشان دکھلانے کو تیار ہیں اگر نہ دکھلا سکیں تو جو سزا چاہیں دیدیں اور جس طرح کی چھری چاہیں ہمارے گلے پر پھیر دیں۔"

(صفحہ ۱۵۰-۱۵۲)

حضور علیہ السلام کا یہ جواب لکھوانا تھا کہ پادریوں نے پیش کردہ بیماروں کو مجلس سے فوراً غائب کر دیا اور یوں محسوس ہوا جیسے انہیں زمین نگل گئی ہے۔ عیسائیوں کے پاس تو اپنے مذہب کے زندہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں تھا اس لئے وہ اس کی تائید میں زندہ نشان دکھانے سے قاصر رہے مگر زندہ اسلام کی حقانیت و صداقت کی تائید میں زندہ نشان دکھانے کے لئے حضورؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت تضرّع اور خشوع و خضوع سے دعائیں کیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان عاجزانہ دعاؤں کو سنا۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"بالآخر چونکہ ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب قرآن شریف کے معجزات سے عمداً منکر ہیں اور اس کی پیشگوئی سے بھی انکاری ہیں اور مجھ سے بھی اسی مجلس میں تین بیمار پیش کر کے ٹھٹھہ کیا گیا کہ اگر دین اسلام سچا ہے اور تم فی الحقیقت ملہم ہو تو ان تینوں کو اچھا کر کے دکھاؤ۔ حالانکہ میرا یہ دعویٰ نہ تھا کہ میں قادر مطلق ہوں ..... بلکہ یہ تو عیسائی صاحبوں کے ایمان کی نشانی ٹھہرائی گئی تھی کہ اگر وہ سچے ایماندار ہوں تو وہ لنگڑوں اور اندھوں اور بہروں کو اچھا

کو ہیں گے۔ مگر تاہم میں اس کے لئے دُعا کرتا رہا اور . . . . آج رات جو مجھ پر کھُلا وہ یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرّع اور ابتہال سے جنابِ الٰہی میں دُعا کی کہ تو اِس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اُس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا کہ اِس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا اور اُس کو سخت ذلّت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے، سچے خدا کو مانتا ہے اُس کی اِس سے عزت ظاہر ہو گی اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آجائے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سُننے لگیں گے۔"

("جنگِ مقدس" بحوالہ روحانی خزائن جلد ششم صفحہ ۲۹۱-۲۹۲)

عیسائی دنیا میں اِس پیشگوئی سے تہلکہ مچ گیا اور خود پادری عبداللہ آتھم صاحب کا یہ حال تھا کہ جب حضور علیہ السلام نے پیشگوئی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ پادری صاحب نے اپنی ایک تصنیف "اندرونہ بائیبل" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نہایت نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے تو سخت خوفزدہ ہو کر انہوں نے فوراً زبان باہر نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھ کے اس سے بیزاری کا اظہار کیا۔ ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور انہوں نے کہا:۔

"مَیں نے تو ایسا نہیں لکھا"
(رسالہ نور احمدؐ صا۱)

اور پھر اس کے بعد ایک لفظ بھی کبھی اُن کی زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف نہ نکلا۔
قارئین کرام پیشگوئی کے الفاظ ملاحظہ فرماویں پیشگوئی مشروط تھی اس امر سے کہ اگر انہوں نے رجوع الی اللہ نہ کیا تو ہاویہ میں گرائے جائیں گے پادری صاحب کے اس رجوع الی الحق کی وجہ سے جس کے آثار ظاہراً بھی نظر آرہے تھے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں فوت نہ ہوئے تو اس پر حضور کے مخالفین اور عیسائیوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ پیشگوئی غلط نکلی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے انہیں سمجھانے کی کوشش فرمائی کہ پیشگوئی میں "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے" کے الفاظ موجود تھے جن سے مطلب یہ تھا کہ اگر آتھم صاحب رجوع کریں گے تو ہاویہ میں گرائے جانے سے بچ جائیں گے اور ان کا رجوع ان کے عمل سے ثابت ہے کیونکہ اس عرصہ میں انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف ایک لفظ تک نہیں کہا اس لئے غفور الرحیم خدا نے اُن کی موت ٹال دی مگر عیسائی اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اس پر آپ نے ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں حضور نے تحریر فرمایا کہ اگر آتھم صاحب اس بات کا حلف اٹھائیں کہ اس پیشگوئی کا خوف ان پر غالب نہیں ہوا اور ان کے خیالات میں اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور پھر وہ ایک سال کے اندر ہلاک نہ ہو جائیں تو حضور انہیں ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ ایک اور اشتہار میں حضور نے دو ہزار تک کی پیش کش کی مگر آتھم صاحب پھر بھی خاموش رہے پھر حضور نے تیسرے اشتہار میں چار ہزار روپیہ دینے کا وعدہ فرمایا اس اشتہار میں حضور علیہ السلام نے تحریر فرمایا:۔

"اب اگر آتھم صاحب قسم کھا لیویں (کہ وہ پیشگوئی کے نتیجہ میں مرعوب نہیں ہوئے اور کسی جہت سے بھی رجوع نہیں کیا) تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے اور اگر قسم نہ کھاویں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا جس نے حق کا اخفاء کر کے دنیا کو دھوکا دینا چاہا" (اشتہار انعامی چار ہزار صا۱)

آتھم صاحب نے پھر بھی قسم پر آمادگی کا اظہار نہ کیا اور مؤخر الذکر پیشگوئی کے مطابق اس آخری اشتہار سے چھ ماہ کے اندر ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو فیروزپور کے مقام پر فوت ہو گئے اور اس طرح ان کی موت اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا ایک اور زندہ نشان بن گئی۔
اس عرصہ میں ان پر جو سراسیمگی اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری رہی قارئینِ کرام اس کا اندازہ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کے بلند پایہ صحابی حضرت حافظ نور احمد صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر سے بخوبی کر سکتے ہیں حضرت حافظ صاحب آتھم صاحب کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حضرت کے قادیان تشریف لے جانے کے بعد میں کچہری جا رہا تھا راستے میں آتھم صاحب کی کوٹھی آتی تھی میں نے دیکھا کہ آتھم صاحب دھوپ میں چھتری لگائے اپنی کوٹھی کے باغیچہ کو صاف کرا رہے ہیں میں نے کہا ڈپٹی صاحب اس وقت کیا کر رہے ہیں انہوں نے کہا گھاس اور جھاڑیاں صاف کرا رہا ہوں ایسا نہ ہو کہ کوئی سانپ نکل کر مجھے کاٹ کھائے اور تم لوگ کہدو کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی پوری ہوگئی۔ میں نے کہا خوب اچھی طرح احتیاط کریں خدا تعالیٰ ضرور اپنی قدرت کا کوئی نظارہ دکھائے گا اس کے بعد آتھم صاحب کو منذر اور خطرناک خواب آنے لگے کہ رات کو چونک چونک کر اٹھتے اور کبھی چارپائی سے نیچے گر پڑتے اور شور مچا دیتے کہ ہائے مر گیا میں پکڑا گیا۔ آتھم صاحب کی یہ حالت دیکھ کر خانساماں کو جو مسلمان تھا موقوف کر دیا گیا اور مسلمانوں کا آنا جانا یک دم بند کر دیا موقوفی کے کچھ عرصہ بعد وہ خانساماں مجھے ملا اور اس نے آتھم صاحب کا سارا حال بیان کیا اور کہا کہ مجھے موقوف کر دیا گیا ہے جب آتھم صاحب نے یہ کہا کہ میں پکڑا گیا۔ میں مارا گیا تو میں ان کے پاس ہی کھڑا تھا اس وجہ سے مجھے موقوف کر دیا کہ اگر بعد میں کوئی ایسی کیفیت ظاہر ہو تو راز فاش ہو جائیگا خانساماں کی زبانی یہ حال سنکر میں بھی آتھم صاحب کی کوٹھی پر گیا دیکھا کہ ایک آدمی پہرے پر کھڑا ہے اور پادریوں نے اس کو تاکید کی ہوئی ہے کہ کوئی مسلمان یہاں نہ آئے ۔۔۔۔

میں یہ دیکھ کر واپس چلا آیا اور خانساماں کی بات کی تصدیق ہوگئی غیر احمدی مسلمان بھی ملاقات یا کسی کام کے لئے جاتے تو ان کو بھی ملاقات کا موقعہ نہ دیا جاتا۔ آتھم صاحب کو کھیل اور تماشہ وغیرہ مشاغل میں مصروف رکھا جاتا اور شطرنج وغیرہ کے ذریعہ ان کا دل بہلایا جاتا تھا مگر آتھم صاحب کی وحشت دن بدن ترقی کرتی چلی جاتی تھی اور ان کی حالت روز بروز تبدیل ہو رہی تھی ان کو کسی وقت چین اور آرام نہ آتا تھا کبھی ہائے ہائے کرتے کبھی کہتے کہ میں پکڑا گیا اور نہیں بچنے کا۔ اُدھر تو آتھم صاحب کی یہ حالت ہوتی جا رہی تھی ادھر دوسرے پادریوں کے دلوں میں کھلبلی مچ گئی۔۔۔۔۔ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ آتھم صاحب کی حالت بگڑتی جاتی ہے تو مشورہ باہمی سے چاہا کہ وہ کسی اور جگہ پہنچا دئے جائیں چنانچہ انہیں لودھیانہ بھیج دیا گیا جب وہاں بھی انہیں چین نہ ملا تو گجرات بھیجا وہاں بھی آرام و قرار نہ

آیا تو غیروزیور گئے ...... کہیں بھی انہیں اطمینان نہ مل سکا اور اسلام کے رد اور مخالفت میں جو آتھم صاحب کا قلم چلا کرتا تھا وہ بھی یکدم بند ہو گیا۔"

(رسالہ نور احمد صفحہ ۳۵-۳۷)

یہ ہے زندہ اسلام کی تائید میں زندہ خدا کا زندہ نشان جو دیگر ایسے کئی نشانات کے ساتھ مومنوں کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک ؛

اسلام کے لئے خوشی کا دن !

حضرت اقدس علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"آج اسلام کے لئے خوشی کا دن ہے کہ معمورۂ عالم میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ اپنی روشن ہدایتوں اور عملی سچائیوں کے ساتھ زندہ نشانات اور زندہ برکات کا ایک زبردست معجزہ اپنے ساتھ رکھتا ہے جس کے مقابلے کی کسی میں طاقت نہیں۔

یہ بات کہ اسلام اپنی پاک تعلیم اور اس کے زندہ نتائج کے ساتھ اس وقت اِس معمورۂ عالم میں ممتاز ہے نرا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کے ذریعے اِس سچائی کو ثابت کر دیا ہے اور کُل مذاہب و ملل کو دعوتِ حق کر کے اُس نے بتا دیا ہے کہ فی الحقیقت اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے اور جسے ابھی تک شک ہو وہ میرے پاس آئے اور ان خوبیوں اور برکات کو خود مشاہدہ کرے مگر طالبِ صادق بنکر آئے نہ جلد باز معترض ہو کر۔" (الحکم ۱۷ر مارچ ۱۹۰۲ء)

وہ شخص جو یقین رکھتا ہے کہ خدا اُسے ضائع نہیں کریگا وہ بلاشبہ ضائع نہیں ہوگا

غم تب آتا ہے جب ایمان جاتا ہے

مسیح پاک علیہ السلام کا ایک گرانقدر مکتوب

حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت قدیمی، مخلص اور مقرب صحابی تھے۔ آپ نے اپنے صدق و اخلاص، قربانی و ایثار، محبت و عقیدت، اور جاں نثاری و فداکاری کی وجہ سے حضور علیہ السلام کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ آپ مدراس میں مقیم ہونے کے باعث بلحاظ فاصلہ جس قدر دور تھے اپنے ان اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے دل سے اتنے ہی قریب۔ حضور نے آپ کو تاکید فرمائی ہوئی تھی کہ آپ باقاعدگی سے حضور کو بذریعہ خط اپنی خیریت سے اطلاع دیتے رہا کریں۔ آپ نے حضور کی اس نصیحت پر عمل کرنے میں کمال درجہ تعہد سے کام لیا اور برابر حضور کی خدمتِ اقدس میں خطوط ارسال کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ حضور نہ صرف ہر خط کا جواب ارسال فرماتے بلکہ اپنے مکتوبات میں آپ کو ایسی ایسی بیش قیمت نصائح اور حقائق و معارف سے نوازتے کہ آج بھی انہیں پڑھ کر انسان پہ وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ان کا مطالعہ کرتے سے بلاشبہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا آبِ حیات کے گھونٹ حلق سے اتر کر ہمیں ایک نئی زندگی سے ہمکنار کر رہے ہیں اور ایک خاص قسم کا روحانی کیف ہے جو رگ و ریشہ میں سرایت کرتا چلا جا رہا ہے۔ حضور کے دل میں آپ کے لئے جو جگہ تھی اس کا اندازہ حضور کے اُس والا نامہ سے بھی ہوتا ہے جو حضور نے آپ کے ایک عریضہ کے جواب میں ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو رقم فرمایا۔ اُس عریضہ میں آپ نے حضور علیہ السلام کو اطلاع دی تھی کہ آپ عنقریب مدراس سے روانہ ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ اطلاع حضور کے لئے از حد خوشی کا باعث ہوئی۔ چنانچہ حضور

نے اس کے جواب میں آپ کے نام جو مکتوب روانہ کیا اُس میں قلبی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:-

"اِس بات کے سُننے سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ عنقریب تشریف لانا چاہتے ہیں۔ اِس مسرت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اِس ناپائیدار دنیا میں بڑا ہی خدا تعالیٰ کا فضل سمجھنا چاہیئے کہ جدائی کے بعد پھر ملاقات ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا تعالیٰ اپنا فضل شاملِ حال رکھے اور جلد تر خیر و عافیت سے آپ کو ملاوے۔ نہایت خوشی بلکہ بے اندازہ خوشی ہوئی کہ آپ کے تشریف لانے کی بشارت سُنی۔ جزاکم اللہ خیراً" (مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم حصہ اوّل صفحہ ۳۱،۲،۲)

اللہ اللہ! کتنے خوش بخت و خوش نصیب اور کتنے بلند اقبال و فرخندہ حال تھے حضرت سیٹھ صاحب مرحوم رضؓ کہ مسیحِ پاک علیہ السلام کے قلبِ مطہر میں جگہ پائی اور وہ دولت کمائی کہ جس پر دنیا بھر کے خزانے بھی نچھاور کر دیئے جائیں تو کم ہیں۔ آپ اپنے آنے کی اطلاع دیتے ہیں حضورؑ کی مسرت و شادمانی کا یہ عالم ہے کہ دل باغ باغ ہوا جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اِس مسرت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بخت کی یہ وہ رسائی اور مرتبہ و مقام کی یہ وہ بلندی ہے کہ جس کے آگے فرطِ عقیدت میں احترام سے گردنیں خم ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔

حضور علیہ السلام اپنے والا ناموں میں حضرت سیٹھ صاحب کو کیسی کیسی بیش بہا نصائح اور حقائق و معارف سے نوازتے تھے اور مرکز سے دُور ہی نہیں بلکہ بہت دُور بیٹھے ہوئے بھی کیسی اعلیٰ درجہ کی شرابِ معرفت کے جام حضورؑ کے مقدس ہاتھوں سے آپ کو پہنچتے تھے اِس کے نمونہ کے طور پر آپ کے نام حضور علیہ السلام کا ایک گرانقدر مکتوب ہم ذیل میں ہدیہ احباب کرتے ہیں:-

حضور علیہ السّلام کا مکتوبِ گرامی

"مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہ

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

عنایت نامہ پہنچا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی آپ پر ایک رحمت ہے کہ آپ نے میری اِس نصیحت میں غفلت نہیں کی کہ خط برابر بھیجا جاوے۔ اور مَیں جس قدر خدا تعالیٰ کے عجیب اور خارق عادت فضلوں پر یقین رکھتا ہوں کاش کوئی ایسا طریق ہوتا کہ مَیں آپ کے دل میں بھی ڈال سکتا کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت اور قدرت کا تجربہ اگر ہو تو وہ اِس حالت میں بھی انسان کو نا امید نہیں

کرسکتا کہ جب انسان پابہ زنجیر زنداں میں ہو۔ میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کے اور اسباب سے سب امیدیں ہماری ٹوٹ چکی ہیں لیکن جب تک ہم قبر میں داخل ہوجائیں یہ امید ہماری ٹوٹنے کے قابل نہیں ہے کہ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو ہر ایک بات پر قادر ہے۔ انسان کی طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ دو چار تجربہ سے خواص اشیاء پر یقین کر لیتا ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ پانی ہمیشہ پیاس کو بجھاتا ہے اور روٹی ایک بھوکے انسان کو سیر کرتی ہے کسٹرائیل دست لاتا ہے، سم الفار پوری خوراک پر ہلاک کرتا ہے، تو پھر خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم پر کیوں یقین نہ کریں جس کو ہم اپنی زندگی میں صدہا مرتبہ آزما چکے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ گھبراہٹ ضعف ایمان کے باعث ہوتی ہے۔ اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ میرا ایک خدا ہے جو مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا تو ممکن ہی نہیں کہ وہ غمگین ہوسکے۔ انسان تو آدمی سے بھی تسلّی پا کر غمگین نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کسی کو لاکھ دو لاکھ روپے کی ضرورت پیش آجائے اور اس کے پاس ایک پیسہ نہیں اور وہ فکر اداائیگی میں مر رہا ہے اور کوئی رفیق نہیں تو غم سے ہلاک ہوجائے گا جس طرح سیّد احمد خان آخر ایک لاکھ روپے کے غم سے دنیا سے کوچ کر گئے لیکن اگر ایسے مضطرب آدمی کو کوئی دوست مل جائے جو ذات کو بوڑا یعنی بھنگی ہے یا چمار ہے اور وہ بہت دولتمند ہو اور وہ اس کو تسلی دے کہ غم نہ کر کچھ دیر کے بعد یہ تمام روپیہ تیرا میں ادا کردوں گا اور اس کو یقین آجائے کہ اب بلاشبہ اپنے وعدہ پر یہ شخص تمام روپیہ ادا کردیگا تو قبل پہنچنے روپیہ کے جس قدر اسکو کشاکش ہو رہی ہے وہ اس کی نظر میں معمولی ہوجائے گی اور چہرہ پر افسردگی نہیں رہیگی ایسا ہی وہ شخص جو یقین رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے ضائع نہیں کریگا وہ بلاشبہ ضائع نہیں ہوگا۔ غم تب آتا ہے جب ایمان جاتا ہے۔ ایک تو بشریت کا غم ہے۔ اس میں تو انسان ایک حد تک معذور ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی کی موت پر غم آتا ہے۔ اس میں تو انبیاء بھی شریک ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت یعقوبؑ یوسفؑ کی جدائی میں چالیس برس تک روتے رہے۔ وہ بشریت کا غم تھا۔ مگر ایک ضعف ایمان کا غم ہوتا ہے۔ جیسا کہ کوئی نادان یہ غم کرے کہ میرا کیا حال ہوگا، کیونکر مجھے روٹی اور کپڑا ملے گا، عیال کا کیا حال ہوگا۔ اس غم سے اگر انسان توبہ نہ کرے تو کافر ہوجاتا ہے کیونکہ اپنے رازق کا منکر ہے۔

دعا کا سلسلہ خوب سرگرمی سے جاری ہے۔ ہر ایک ساعت خدا تعالیٰ کے فضل کی امید ہے۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۲ء"

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اوّل صفحہ ۳۲، ۳۳)

اِس گرانقدر مکتوب میں حضورؓ نے خدا تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات اور اُس کی قدرتوں پر زندہ یقین اور اس یقین کی عظیم الشان برکات پر نہایت مسحور کُن انداز میں روشنی ڈالی ہے اور اِس امر کو نہایت درجہ پُر اثر لہجہ میں ذہن نشین کرایا ہے کہ خدا پر کامل یقین رکھنے والا انسان عُسر اور یُسر ہر حالت میں خوف اور حُزن سے اِس درجہ دُور ہو تا ہے کہ غم اُس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ اِس تعلق میں حضورؓ نے غمِ بشریت اور غمِ ضعفِ ایمان کے باہمی فرق کو نہایت بصیرت افروز پیرائے میں واضح کر کے اِس امر کو بڑی عمدگی سے باور کرایا ہے کہ دُکھ اور تکلیف کے وقت میں ایمان کس قسم کے عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ عمل یہی ہے کہ انسان ہر حال میں خدا تعالیٰ کی رضا پر شاکر رہے۔ اگر بڑی سے بڑی مصیبت بھی ٹوٹ پڑے تو خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اِس بات پر پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط یقین اسے حاصل ہو کہ خدا جو غفور الرحیم اور ارحم الراحمین ہے مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا اور ضرور بالضرور اِس مصیبت کو ٹال کر راحت کی گھڑیاں واپس لائے گا۔ اِس یقین پر قائم ہو کر وہ خدا تعالیٰ کے حضور جھکے اور جو کچھ مانگنا ہے اُسی سے مانگے اور پھر ہر آن اُس کے فضل اور اُس کے احسان پر نظر رکھے تو پھر ہو نہیں سکتا کہ خدا مائل بہ رحمت نہ ہو۔ ایسے پختہ یقین پر قائم ہونے والا انسان کبھی غمگین اور پریشان نہیں ہو سکتا اور کبھی گھبراہٹ اور مایوسی کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اِس تعلق میں خواص اشیاء پر یقین کی متعدد مثالیں دینے کے علاوہ خود اپنے تجربہ اور اپنی حالت کا اظہار کرتے ہوئے حضورؓ فرماتے ہیں اور کِس شان اور جلال کے ساتھ فرماتے ہیں کہ :۔

"مَیں دیکھتا ہوں کہ دُنیا کے اور اسباب کے سب اُمیدیں ہماری ٹوٹ چکی ہیں لیکن جب تک ہم قبر میں داخل ہو جائیں یہ اُمید ہماری ٹوٹنے کے قابل نہیں کہ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو ہر ایک بات پر قادر ہے۔"

سچ بات یہ ہے کہ خدا کی ذات پر ایسا ہی راسخ اور غیر متزلزل ایمان ہمیں اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اِس کے بغیر ہم غلبۂ اسلام کے ضمن میں اُن اہم ذمہ داریوں سے عُہدہ برآ نہیں ہو سکتے جو اِس ضمن میں ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ راہ میں پیش آنے والی مشکلات پر ہم قابو پا ہی نہیں سکتے اور منزلِ مقصود کی طرف پوری جوانمردی اور ہمّت و استقلال کے ساتھ آگے قدم بڑھا ہی نہیں سکتے جب تک کہ خدا کی ذات اور اس کی بے ہمتا صفات پر ہمیں ایسا ہی غیر متزلزل ایمان حاصل نہ ہو۔ دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرنے کا سب راز خدا تعالیٰ کی ذات پر ایسا ہی ایمان پیدا کرنے میں مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے ہی کامل اور سچے ایمان کی دولت سے مالا مال کرے۔ آمین اللّٰھم آمین ٭

مشرقی افریقہ میں رونما ہونیوالا عظیم روحانی انقلاب

غلبۂ اسلام کی خدائی تقدیر اور اُس کا ہتم بالشان ظہور!

(مولانا شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ)

مولانا شیخ مبارک احمد صاحب خدا کے فضل سے مشرقی افریقہ میں جماعت احمدیہ کے رئیس التبلیغ کی حیثیت سے ربع صدی سے زائد عرصہ تک نہایت کامیابی کے ساتھ تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں اور حال ہی میں ربوہ واپس تشریف لائے ہیں۔ جماعتِ احمدیہ کی مجاہدانہ کوششوں کے نتیجہ میں آج وہاں جو عظیم روحانی انقلاب رونما ہو رہا ہے اُس کے جملہ مراحل آپ نے بچشمِ خود مشاہدہ کئے ہیں۔ اِس لحاظ سے وہاں غلبۂ اسلام کی خدائی تقدیر کے بروئے کار آنے کے آپ عینی شاہد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو خود عملاً اِس میں حصہ لینے کی سعادت سے بہرہ مند فرمایا ہے۔ امید ہے کہ مشرقی افریقہ میں رونما ہونیوالے عظیم روحانی انقلاب سے متعلق آپ کا یہ مختصر مضمون بہت دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ (ادارہ)

یورپی طاقتوں کے زبردست غلبہ و استیلاء کے باعث برّ اعظم افریقہ کے دوسرے علاقوں کی طرح مشرقی افریقہ کے اُس حصہ میں بھی جو چند سال قبل تک "برٹش ایسٹ افریقہ" کے نام سے موسوم تھا اور جس میں ٹانگانیکا، یوگنڈا، کینیا، اور زنجبار کے علاقے شامل تھے اُنیسویں صدی کے نصف آخر میں عیسائیت پوری طرح غالب آچکی تھی۔ اُس کا یہ غلبہ کسی روحانی برتری اور فوقیت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ یورپی طاقتوں کے سیاسی اقتدار کے بل بوتے پر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اِن طاقتوں نے اپنے سیاسی اقتدار کو مستحکم بنانے کی غرض سے یورپ کے اُن عیسائی اداروں کو جو عیسائیت کی تبلیغ میں دلچسپی رکھتے تھے اِس امر پر اُبھارا کہ وہ افریقہ کی پسماندہ اقوام کو عیسائیت کا حلقہ بگوش بنا کر انہیں ذہنی اور فکری لحاظ سے اپنے حکمرانوں کے قریب لانے کی کوشش کریں اور اُنہیں یہ احساس دلائیں کہ یورپی اقوام کا یہ اقتدار انہیں یسوع مسیح کے قدموں میں لانے اور انہیں روحانی نجات سے ہمکنار کرنے کا باعث بنا ہے اور اِس لحاظ سے اُن کے لئے آیۂ رحمت کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ یورپ کے مشنری اداروں

کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کی گئی اور افریقہ میں عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے انہیں بے اندازہ آسانیاں فراہم کر کے انہیں اس قابل بنا دیا گیا کہ وہ افریقہ کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک پادریوں، عیسائی مشنوں اور گرجاؤں کا جال پھیلا سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا اور ہونا بھی چاہیئے تھا کہ عیسائیت دیکھتے ہی دیکھتے پورے افریقہ پر چھا گئی۔

یورپی طاقتوں اور یورپ کے مشنری اداروں کی اس عام پالیسی پر عملدرآمد کے باعث مشرقی افریقہ کے علاقے بھی مسیحی یلغار کی زد میں آئے بغیر نہ رہے۔ ان حالات میں بھلا وہ اس کی دست برد سے کس طرح محفوظ رہ سکتے تھے۔ وہاں بھی عیسائی مشنوں اور گرجوں کا ایک جال بچھ گیا۔ علاوہ ازیں تعلیمی اور رفاہی سرگرمیوں کی آڑ میں بے شمار ایسے عیسائی ادارے معرض وجود میں آ گئے جن کا مقصد بظاہر تو افریقی باشندوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا اور انہیں طبی سہولتیں بہم پہنچانا تھا لیکن درپردہ ان اداروں کے قیام کی غرض بھی اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ لوگوں کو اس بہانے عیسائی بنا کر یسوع مسیح کی غلامی میں داخل کیا جائے۔ ایک طرف یہ نام نہاد عیسائی ادارے افریقن اقوام کے نوخیز دماغوں کو عیسائیت کی طرف مائل کر رہے تھے اور دوسری طرف عیسائی مشن مشرقی افریقہ کی کم و بیش ۲۶۵ مقامی زبانوں میں لٹریچر شائع کر کے اسلام کے خلاف نہایت زہریلا پراپیگنڈا کرنے میں مصروف تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں اسلام کو وحشت و بربریت کا مذہب سمجھا جانے لگا اور افریقنوں کی نگاہ میں یہ گداگروں اور جاہلوں کا مذہب شمار ہونے لگا اور انسانیت کے لئے ایک خطرۂ عظیم اور کمیونزم سے بڑھ کر بنی نوع انسان کے لئے تباہی و بربادی کا موجب متصور ہونے لگا۔ انتہائی خطرناک قسم کا یہ گھناؤنا پراپیگنڈا رنگ لایا۔ افریقن باشندے دھڑا دھڑ عیسائیت میں داخل ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ قدیم مسلمان خاندان بھی جو زیادہ تر مشرقی افریقہ کے ساحلی علاقوں میں آباد تھے، عیسائی مشنوں کے تعلیمی نظام اور رفاہِ عامہ کے اداروں اور یورپ کی عیسائی قوموں کے سیاسی اقتدار سے مرعوب ہو کر اسلام کو خیرباد کہہ بیٹھے اور عیسائیت کے حلقہ بگوش بن کر خود اسلام کو مٹانے کے درپے ہو گئے۔ ممباسہ، دارالسلام اور زنجبار جو کبھی اسلامی اثر و نفوذ اور اسلامی تہذیب و تمدن کے مرکز تھے عیسائیت کی اس بے پناہ یلغار کی تاب نہ لا کر اپنی اس مرکزی حیثیت کو گنوا بیٹھے۔ رہے سہے مسلمان خوف زدہ تھے کہ اگر انہوں نے عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے خیال کو بھی دل میں جگہ دی تو وہ حکومت کی طرف سے مشکلات و مصائب کا نشانہ بنا دیئے جائیں گے اور ان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

یہ سارے حالات عیسائی پادریوں کی سوچی سمجھی سکیم کے مطابق اور عیسائی حکومتوں کی خفیہ اور اعلانیہ امداد کے ذریعہ پیدا ہوئے۔ ایک طرف افریقن مسلمانوں کی مایوسی اور بے بسی و بے چارگی کا عالم اپنی انتہا کو

پہنچا ہوا تھا اور دوسری طرف سارے مشرقی افریقہ میں کلیسیا کی شادمانی اور فتح و ظفر کا بگل بج رہا تھا۔ اپنی اِن غیر معمولی فتوحات کے نشے میں سرشار ہو کر عیسائی مصنفین اور پادریوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ:۔

"سیاسی طاقت کے بغیر اسلام کی کوئی حیثیت نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اب اسلام افریقہ میں زندہ نہیں رہ سکتا۔" (Islam in Africa)

اسی طرح لندن کے ایک اخبار "ویسٹ افریقہ اینڈ روڈیشیا" نے افریقہ میں اسلام کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا:۔

"اسلام وہاں آخری دموں پر ہے اور اب اس کا جنازہ نکلنے ہی کو ہے۔"

عیسائی پادریوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ:۔

"افریقہ میں اب اسلام کو کلّی طور پر نابود کرنے کا کام عیسائیت کے لئے نسبتاً بہت آسان ہے۔"

(اسلام اِن ایسٹ افریقہ)

انیسویں صدی کے نصف آخر میں دنیا کے باقی خطّوں کی طرح افریقہ میں بھی جب اسلام نکبت و ادبار اور زوال و اضمحلال کی اِس حالت کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں از سر نو اسلام کا علم لہرانے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت کے سائے تلے ساری دنیا کو پھر جمع کرنے کے لئے مسیح موعود کی حیثیت سے مبعوث فرمایا۔ آپ نے اسلام کا درد رکھنے والے مخلص اور فدائی انسانوں کی ایک جماعت قائم فرمائی اور اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ اِس مٹھی بھر جماعت کے ذریعے اسلام کو دنیا میں از سر نو سربلند کرے گا عیسائیت کا غلبہ جاتا رہے گا اور اس کی جگہ اسلام غالب آکر دنیا کو امن اور سلامتی کے گہوارے میں تبدیل کر دے گا۔ آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ یہ انقلاب آسمانی تقدیروں کے بروئے کار آنے سے بتدریج رونما ہوگا اور اس انقلاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے خدا تعالیٰ آسمان سے فرشتوں کی فوجیں نازل کرے گا جو اپنی پاک تاثیروں کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو حق اور راستی کی طرف پھیر دیں گی اور اس کے نتیجے میں دنیا کی مختلف اقوام اپنے مشرکانہ عقائد اور ملحدانہ مسلک کو خیرباد کہہ کر اسلام میں داخل ہوتی چلی جائیں گی یہاں تک کہ اسلام ساری دنیا میں غالب آکر تمام بنی نوعِ انسان کو دینِ واحد پر جمع کر دکھائے گا اُس وقت ایک ہی مذہب ہوگا یعنی اسلام، ایک ہی پیشوا ہوگا یعنی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک ہی کتاب ہوگی یعنی قرآن مجید کی اکمل واتم شریعت۔ آپ کے اس اعلان پر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ غلبۂ اسلام کی آسمانی تقدیریں بروئے کار آنی شروع ہوگئیں اور دنیا میں

تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی راہیں رفتہ رفتہ ہموار ہونے لگیں یہاں تک کہ جماعتِ احمدیہ کے موجودہ اولوالعزم امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اطراف و جوانب عالم میں اسلام کے لئے پیدا شدہ خطرات کا جائزہ لینے کے بعد مبلغینِ اسلام کی ایک زبردست فوج تیار کی اور انہیں دنیا کے مختلف ممالک میں بھیج کر وہاں اسلام کے تبلیغی مشن قائم فرمائے اور اس طرح بیک وقت دنیا کے مختلف علاقوں میں اسلام کا پیغام پہنچنا شروع ہو گیا اور سعید روحیں اسلام کی آغوش میں پے بہ پے آنے لگیں۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ۱۹۳۴ء میں مشرقی افریقہ میں بھی ایک تبلیغی مشن قائم فرمایا اور اس عاجز کو بطور مبلغ وہاں بھجوا دیا۔

مَیں جب وہاں پہنچا تو عیسائیت کے غلبہ اور اسلام اور مسلمانوں کی کسمپرسی کا وہی عالم تھا جس کا ذکر مَیں سطور بالا میں پہلے ہی کر چکا ہوں ایسے حالات میں اسلام کی تائید اور اس کی حمایت میں کچھ کہنا یا لکھنا آسان کام نہ تھا۔ اگر کوئی شخص ذاتی کوشش اور خواہش کے نتیجے میں وہاں گیا ہوتا تو حالات اور ماحول کو انتہائی طور پر ناسازگار دیکھ کر وطن واپس آ جاتا لیکن وہاں تو پوری جماعت کی نمائندگی اور خلیفۂ وقت کی اطاعت کا سوال تھا۔ تائید و نصرت اور کامیابی و کامرانی سے متعلق خدائی وعدوں پر ایمان کا سوال تھا اس لئے ہمت ہارنے یا دل برداشتہ ہونے کی قطعاً کوئی گنجائش نہ تھی۔ جماعت کے مقدس امام کا فرمان تھا کہ آج روئے زمین پر سب سے بڑھ کر مظلوم اسلام اور اس کا مقدس بانی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس مقدس وجود نے سب دینوں اور سب نبیوں کی عزت قائم کی اور جس کے احسانات کا دائرہ تمام دنیا اور دنیا کی ساری مخلوق تک وسیع ہے اس کی عزت اور اس کی تعظیم کے علم کو دنیا میں بلند کرنا ہماری زندگی کا مقصدِ اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے کوشش کرنا سعادتِ عظمیٰ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ناسازگار حالات، مشکلات اور مالی ذرائع کے انتہائی طور پر محدود ہونے کے باوجود جماعتِ احمدیہ کی اولوالعزمی میں فرق نہ آیا چنانچہ غیر اقوام اور غیر ممالک میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے فریضے کی ادائیگی کے لئے ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا گیا اور پوری تندہی اور جانفشانی سے تبلیغی جدوجہد کو جاری رکھا گیا۔ جماعتِ احمدیہ کے مقدس امام اور آپ کی اتباع اور پیروی کی برکت سے خود جماعتِ احمدیہ کی یہی اولوالعزمی تھی جس کی وجہ سے میرے لئے انتہائی نامساعد حالات میں مشرقی افریقہ میں ۲۷ سال تک تبلیغ اسلام کا کام جاری رکھنا ممکن ہوا۔

اِس عرصہ میں وہاں اولوالعزم امام کی قیادت اور حضور ایدہ اللہ کی زیر ہدایت انگریزی اور مقامی زبانوں میں نہایت وسیع پیمانے پر لٹریچر کی اشاعت، انگریزی اور سواحیلی زبانوں میں اسلامی اخبارات کے اجراء، دس ہزار کی تعداد میں نہایت اعلیٰ پیمانے پر قرآنِ مجید کے سواحیلی ترجمے کی طباعت اور تقسیم، تین دیگر مقامی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کی تیاری، مشرقی افریقہ کے ہر اہم شہر اور علاقے میں عالیشان مساجد

مشن ہاؤس اور مبلغین کے لئے رہائشی مکانات کی تعمیر اور پبلک لیکچروں کے ذریعے اسلام کے خلاف پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالے کا کام ہوا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کو وہاں اب ایک فعال قوت تسلیم کیا جاتا ہے۔ پہلے وہاں ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے عالیشان گرجے ہر نووارد کو یہ باور کراتے تھے کہ اس براعظم میں عیسائیت ہی کی حکمرانی ہے۔ وہ اپنے اس تاثر میں حق بجانب تھے کیونکہ انہیں اسلام کا کوئی ظاہری نشان نظر نہ آتا تھا لیکن اب یہ صورت نہیں ہے۔ وہاں عظیم الشان مساجد اور مشن ہاؤس اسلام کی زندگی کا واضح ثبوت پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسلام کے خلاف عیسائی پادریوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں دن بدن دور ہو کر لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کر رہی ہیں اور لوگ بڑی کثیر تعداد میں قبول حق کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ برخلاف اس کے وہاں عیسائیت دن بدن پسپا ہو رہی ہے اور اسے اپنے آپ کو سنبھالنا انتہائی طور پر مشکل نظر آ رہا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہیں۔ جہاں ۱۹۳۴ء سے مشن کے قیام کے بعد پہلے دس سال تک خاکسار وہاں اشاعت و تبلیغ اسلام کا فریضہ اکیلا ہی ادا کر رہا تھا اب وہاں ایک درجن پاکستانی مبلغین کے علاوہ دو درجن افریقن مبلغین اسلام کی تبلیغ اور قرآن مجید کی اشاعت کے کام میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اس کے نہایت خوشکن اور خاطر خواہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔

جماعت احمدیہ کی عظیم الشان تبلیغی جدوجہد کے نتیجہ میں اب وہاں ہوا کا رُخ کس قدر تبدیل ہو چکا ہے اور عیسائیت کس بُری طرح پسپا ہو رہی ہے اور اس کے بالمقابل وہی درماندہ و نحیف و نزار اسلام کس طرح وہاں روز بروز ترقی کر رہا ہے اس کا اندازہ وہاں سے شائع ہونے والے اخبارات اور کتب سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے خود عیسائی یہ کہنے پر مجبور ہو چکے ہیں کہ:-

”یہ قدیم خیال کہ اسلام افریقہ میں ایک دم توڑتی ہوئی قوت کی حیثیت رکھتا ہے اب کلی طور پر غلط ثابت ہو چکا ہے۔ اسلام اس تیزی سے لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش بنا رہا ہے کہ عیسائیت قبول کرنے والے جملہ افراد کے بالمقابل دگنی تعداد میں لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔“

(رومن کیتھولک رپورٹ برائے افریقہ)

اسی طرح نیروبی کے مشہور اخبار ”ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ“ نے لکھا:-

”پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ افریقہ کے دروازے عیسائیت کے لئے ہمیشہ ہی کھلے ہیں لیکن اب یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بند ہوتے جا رہے ہیں۔

بعض لوگوں کا تو دعویٰ یہ ہے کہ اسلام عیسائیت کے مقابلے میں دس گنا زیادہ رفتار کیساتھ

پھیل رہا ہے۔ برّاعظم افریقہ کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک عیسائی مشن قائم کرکے اسلام کی اس وسعت پذیر ترقی کو روکنے کی جو حکمتِ عملی بنائی گئی تھی وہ بظاہر کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو کامیاب ثابت نہیں ہوئی"
سکول آف اورینٹل سٹڈیز لندن کے پروفیسر لنڈن ہیرس عرصہ دراز تک مشرقی افریقہ میں بطور مشنری کام کرتے رہے ہیں انہوں نے "اسلام مشرقی افریقہ میں" (Islam in East Africa) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں وہ رقمطراز ہیں :-

"موجودہ صدی کے آغاز میں عیسائی مصنفین اس بات پر زور دے رہے تھے کہ سیاسی طاقت کے بغیر اسلام کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے کہ اسلام اب افریقہ میں زندہ نہیں رہ سکتا لیکن آج کوئی شخص بھی سنجیدگی کے ساتھ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اسلام کا چیلنج اب بھی موجود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سیاسی زندگی کے نت نئے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے یہ چیلنج اور بھی زیادہ قوت حاصل کر چکا ہے"۔

یہی مشنری پروفیسر اسی کتاب میں مزید لکھتے ہیں :-

"اپنے تمام ہم عصروں میں احمدی اپنے مذہب اور معتقدات کے دفاع کی زیادہ اہلیت رکھتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں بالعموم فعال قسم کے مبلغ موجود نہیں ہیں۔ یہ بات خاص طور پر اہم ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے تمام اسلامی فرقوں میں سے صرف یہی ایک ایسا فرقہ ہے جو قبائلی افریقہ میں اپنے پاؤں جمانے اور اپنے لئے جگہ بنانے میں کامیاب رہا ہے"۔

خود عیسائی مصنفین اور عیسائی اخبارات کے یہ منہ بولتے اقتباسات اس امر پر گواہ ہیں کہ آج مشرقی افریقہ میں جماعتِ احمدیہ کی مجاہدانہ کوششوں کے نتیجے میں صورتِ حال یکسر بدل چکی ہے۔ کہاں وہ دِن جب یہ کہا جاتا تھا کہ اسلام کا جنازہ نکلنے ہی کو ہے اور کہاں آج خود عیسائی یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام افریقہ میں دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اور افریقہ کے دروازے عیسائیت کے لئے بند ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ وہ عظیم الشان انقلاب ہے جو حضرت بانئِ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے عین مطابق خدائی تقدیر کے بروئے کار آنے سے رونما ہوا ہے یہ انقلاب بڑھتا اور زور پکڑتا ہی چلا جائے گا۔ عیسائی دنیا اسے روکنے کی ہزار کوششیں کرے وہ اپنی ان کوششوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ افریقہ میں اسلام کا غالب آنا ایک خدائی تقدیر ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔ خدائی فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ افریقہ کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا جیسا کہ اسلام کے غلبہ اور اس کی فتح کی خبر دیتے ہوئے حضور علیہ السلام آج سے ۷۳ سال قبل فرما چکے ہیں کہ :-

"سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اُس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے وقتوں میں چڑھ چکا ہے"۔ (فتح اسلام)

صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام
کی
بعض غیر مطبوعہ روایات

(مکرم مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور - ربوہ)

دسمبر ۱۹۳۳ء میں خاکسار جبکہ اضلاع سرگودہا و لائلپور کا تبلیغی دورہ کر رہا تھا تو چک نمبر ۳۲ جنوبی سرگودہا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی محترم خوشی محمد صاحب ولد فضل دین صاحب ساکن رجوعہ ضلع گجرات سے ملاقات کا موقع ملا جو ان دنوں وہیں رہائش رکھتے تھے مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۳۳ء کو خاکسار کی درخواست پر آپ نے خاکسار کو اپنی بعض روایات قلمبند کروائیں۔ جو افادۂ احباب کی غرض سے ذیل میں درج ہیں:-

محترم خوشی محمد صاحب ساکن رجوعہ ضلع گجرات کی روایات

(خلاصہ)

ہمارے خاندان میں سب سے پہلے ہمارے تایا نے جن کا نام سکندر تھا احمدیت قبول کی اور پھر ان کے ذریعہ ہی ہماری برادری کے بہت سے لوگوں کو قبولِ احمدیت کی توفیق ملی۔ پہلے ہم لوگوں میں دین مذہب کا کوئی پاس نہ تھا صرف نام کے مسلمان تھے۔ چوری چکاری کو عار نہ سمجھتے تھے۔ اکثر دوسرے لوگوں کو کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم اپنے جانوروں کو ضرور تمہاری فصلوں میں سے گزاریں گے اپنی فصلوں کو تم خود سنبھالو۔ اس طرح آئے دن جھگڑے رہتے تھے اور سب لوگ ہم سے ڈرتے تھے احمدیت قبول کرنے کے بعد یہ حالت نہ رہی۔ اس قسم کی باتیں یکسر ختم ہوگئیں۔ حتیٰ کہ ہمارے مخالف بھی کہتے تھے کہ مرزا صاحب نے ان جانوروں کو انسان بنا دیا ہے۔

میرے تایا نے سب سے پہلے حضرت حافظ غلام رسول صاحبؓ وزیرآبادی کی زبانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر سُنا تھا لیکن اُس وقت انہوں نے اِس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ بالآخر ایسا ہوا کہ خود ہمارے گاؤں کے امام مسجد حکیم احمد علی صاحب خاموشی سے قادیان جاکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر آئے۔ انہوں نے واپس آکر بہت لمبی لمبی نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ ایک دن میرے تایا نے حکیم احمد علی صاحب سے پوچھا کہ میاں کیا بات ہے۔ اب تم نمازیں اور ہی طرح کی پڑھتے ہو یعنی پہلے بہت اختصار سے کام لیتے تھے اور اب تم نے بہت لمبی لمبی نمازیں پڑھنی شروع کر دی ہیں۔ حکیم صاحب بولے اگر مجھے کچھ نہ کہو تو تمہیں اس کا سبب بتاؤں۔ تایا صاحب نے

وعدہ کیا کہ وہ انہیں کچھ نہ کہیں گے۔ اِس پر حکیم صاحب نے بتایا کہ امام مہدی جن کی آمد کے متعلق ہمارے باپ دادا سنتے آئے تھے آ گئے ہیں اور مَیں ان کے ہاتھ پر بیعت کر آیا ہوں۔ بابا سکندر نے پوچھا امام مہدی ہیں کہاں۔ حکیم احمد علی صاحب نے کہا قادیان میں۔ ہوتے ہوتے حکیم صاحب کے ترغیب دلانے پر بابا سکندر قادیان جانے پر آمادہ ہو گئے۔ جب وہ قادیان روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک امام مسجد سے امام مہدی کی علامات دریافت کیں۔ امام مسجد نے کہا علامات تو میں بتا دیتا ہوں لیکن قادیان نہ جانا۔ امام مہدی کا قد درمیانہ ہوگا کشادہ پیشانی آنکھیں موٹی موٹی اور بال سیدھے ہوں گے۔ بات کرتے وقت ران پر ہاتھ مارے گا۔ اور زبان میں معمولی سی لکنت ہوگی۔ وہ یہ علامات سُن کر سیدھے قادیان پہنچے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرکے جماعتِ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ یہ غالباً ۱۸۹۹ء کا واقعہ ہے۔

قادیان سے واپس آکر اور گاؤں میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بابا سکندر پھر قادیان گئے اور اس دفعہ ہم کو اور برادری کے بعض اور لوگوں کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ وہاں ہم سب نے بھی حضور علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ مَیں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نمازوں میں لمبی لمبی دعائیں کرتے ہیں۔ مَیں نے بعض لوگوں سے اس کا سبب پوچھا۔ ایک مولوی صاحب جو پاس ہی بیٹھے تھے بولے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگِ احد کے وقت بہت دعائیں کی تھیں۔ مَیں نے کہا اب تو کوئی جنگ نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے کہا، اچھا جب اپنے وطن واپس جاؤ گے تو دیکھ لوگے۔ واقعی جب گھر واپس آئے تو یہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ سارا گاؤں لڑنے مرنے کو تیار ہے۔ انہوں نے لاٹھیاں ہاتھ میں اٹھا لیں اور کہا خبردار جو مسجد میں قدم رکھا۔ بابا سکندر فوراً قادیان واپس گئے اور سارا ماجرا حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں تم اب گھر میں ہی نمازیں پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ ہم سب گھر میں ہی نمازیں پڑھتے رہے پہلے ہمارا بہت دبدبہ تھا لیکن اب ہمیں کوئی گردانتا ہی نہ تھا۔ جلاہے بھی ہم کو مسجد میں جانے سے روک دیتے تھے اور ہم خاموش ہو جاتے تھے۔ لوگ حیران ہوتے تھے کہ یہ تبدیلی ان میں کیسے آ گئی۔ یہ لوگ تو کبھی کسی کی بات برداشت کرنا جانتے ہی نہ تھے اب نہ جانے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کسی بات پر بولتے ہی نہیں۔ بعض لوگوں نے تو یہ بھی کہا کہ یہ سب تبدیلی مرزا صاحب کو ماننے کی وجہ سے آئی ہے۔

ایک دفعہ مَیں قادیان گیا ہوا تھا۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دن مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ دیہات میں لوگ ہم احمدیوں کو مسجدوں میں نمازیں پڑھنے نہیں دیتے۔ اِس کی بڑی تکلیف ہے۔ حضرتِ اقدس نے فرمایا گھبراؤ نہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ سب مسجدیں تم کو مل جائیں گی کیونکہ مسجدیں ہوتی ہی مومنوں کے لئے ہیں۔

بچوں کا صفحہ

خوشی کی انتہا

اگر کسی عورت کا بچہ کھو جائے تو تم جانتے ہو اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اسے کسی پہلو چین نہیں پڑتا۔ وہ چاہتی ہے کہ گھڑی کی چوتھائی میں اس کا پیارا بچہ آموجود ہو اور اگر اللہ کے فضل و کرم سے کسی عورت کا کھویا ہوا بچہ مل جائے تو اس کو جو خوشی ہوتی ہے اُس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اپنے بچے کو دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتی۔ بچے کو بار بار گلے سے لگاتی ہے اور گھڑی گھڑی اس کا منہ چومتی ہے اور اُس سے کہتی ہے واری جاؤں صدقے جاؤں میرے چاند تو کہاں چلا گیا تھا۔ میں تو رو رو کر پاگل ہو گئی۔ تُو آیا تو قرار آیا۔ نہ آتا تو نہ جانے میرا کیا حال ہوتا۔ یہ جہان وبال ہو جاتا۔ جینا محال ہو جاتا اللہ کا فضل ہو شاملِ حال اب نہ جائیو میرے لال۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں کو اپنے بچے سے بے انتہاء محبت ہوتی ہے۔ ہم تمہیں ایک عورت کا بالکل سچا واقعہ سُناتے ہیں۔ اُس کا بچہ کھو گیا تھا۔ اُس بے چاری کا جو حال ہوا وہ سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک جنگ میں ایک عورت کو دیکھا۔ وہ دیوانوں کی طرح دوڑی پھرتی تھی۔ اُس کا بچہ کہیں گُم ہو گیا تھا۔ راستہ میں جو بچہ بھی اسے مل جاتا اسے اپنا بچہ سمجھ کر اٹھا لیتی۔ پھر یہ دیکھ کر کہ یہ تو اُس کا بچہ نہیں ہے اُسے اتار دیتی اور آگے چل پڑتی۔ کبھی اِدھر جاتی اور کبھی اُدھر۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اُسے نظر نہیں آتا۔ جدھر منہ اٹھتا ہے چل پڑتی ہے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر اُسے اپنا بچہ نظر آ گیا۔ اُس نے لپک کر اُسے گود میں اٹھا لیا اور لگی بے تحاشا اسے پیار کرنے اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ واقعی اِس پر سے نثار ہو جائے گی۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا تم نے دیکھا کہ اپنے بچے کی تلاش میں یہ عورت کس قدر گھبرائی ہوئی تھی۔ اور اب جبکہ اِس کا بچہ مل گیا ہے تو اسے کس قدر خوشی ہوئی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! واقعی اِس عورت کو اپنا بچہ ملنے پر بے انتہا خوشی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا سمجھ لو اور خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب کوئی گنہگار بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے خدا

کی طرف جھکتا ہے تو خدا کو اس سے کہیں زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ اس عورت کو اپنا بچہ ملنے پر خوشی ہوئی ہے۔

بڑی ہی خوش نصیب تھی وہ عورت۔ اُس کو اپنا بچہ بھی مل گیا اور اُس کی وجہ سے رسول اللہ نے صحابہؓ کو ایسی عمدہ نصیحت فرمائی کہ جس نے اُن کی زندگیاں بدل کر رکھ دیں۔ آپ کی یہ نصیحت قیامت تک کام آتی رہے گی۔ مائیں اپنے بچوں سے بے انتہا محبت کرتی ہیں تو بچوں کو بھی اپنی ماؤں سے بہت محبت ہوتی ہے۔ جب خدا اپنے بندوں سے ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرنیوالا ہے تو ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے سے محبت کریں اور ایسی محبت کریں کہ اور کسی سے ہمیں اتنی محبت نہ ہو۔ خدا سے محبت کا طریق یہی ہے کہ ہم ذوق و شوق کیساتھ اُس کی عبادت کریں اور اُس کے سب حکم بجا لائیں۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین +

اللہ تعالیٰ کی نصرت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

اِک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا
مَیں خاک تھا اُسی نے ثریا بنا دیا

مَیں تھا غریب و بے کس و گمنام و بے ہُنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

لوگوں کی اِس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی
میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی

اَب دیکھتے ہو کیسا رجوعِ جہاں ہُوا
اِک مرجعِ خواص یہی قادیاں ہُوا

آخر کوئی تو بات ہے جس سے ہُوا وہ یار
بدکار سے تو کوئی بھی کرتا نہیں ہے پیار

(درثمین اردو)

مرکزی اعلانات

انصار اللہ کا سالانہ اجتماع

ذکرِ الٰہی اور رُوحانیت کی فضا میں تین دن

جیسا کہ اعلان کیا جا چکا ہے۔ امسال ہمارا سالانہ اجتماع انشاء اللہ ۲۶-۲۷-۲۸ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو ربوہ میں منعقد ہوگا۔ اس اجتماع میں شمولیت اللہ تعالیٰ کے فضل سے سعادتِ عظمیٰ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس گوناگوں برکات کے حامل اجتماع میں شامل ہونیوالوں کے لئے ذکر الٰہی اور پُرسوز دعاؤں کے علاوہ بزرگان سلسلہ کی بیش بہا نصائح سننے کے بیشمار مواقع میسر آتے ہیں۔ یہ تین دن جو اجتماع میں گذارے جاتے ہیں خدا کے فضل سے روحانیت کے لحاظ سے انسان کی کایا پلٹ کر رکھ دیتے ہیں اور قلوب میں روحانیت کی نمایاں ترقی محسوس کی جاتی ہے اور انصار یہ عزم لیکر واپس جاتے ہیں کہ اجتماع سے پیدا ہونے والی تبدیلی کو برقرار رکھیں گے۔ چنانچہ قریشی عبدالرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ انصار اللہ سابق صوبہ سندھ و بلوچستان ایک گذشتہ اجتماع کے متعلق فرماتے ہیں:-

"اجتماع میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں خالصتہً ایک روحانی ماحول میں ہوں الغرض تمام وقت ایسا روحانی سرور حاصل ہوتا رہا جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔"

دوستوں کو چاہیئے کہ ایسے بابرکت اجتماع میں ضرور شمولیت فرماویں اور ادنیٰ ادنیٰ ہرجوں کی پرواہ نہ کریں۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

دینی معلومات کا انعامی مقابلہ

ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک کامرانی کا منہ نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ اس کی نئی پود بڑوں کا قائمقام بننے کی پوری طرح اہل نہ ہو۔ یہ اہلیت محنت اور توجہ سے پیدا ہوتی ہے اس حقیقت کے پیش نظر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے اس امر کا اہتمام کیا تھا کہ ہر سال اپنی نگرانی میں ۱۵ سال تک کے اطفال کا ایک انعامی مقابلہ منعقد کیا جائے اور اوّل و دوم آنیوالے اطفال کو علی الترتیب ایک سال کی پوری اور نصف فیس بطور انعام دی جائے۔ اس انعامی مقابلہ کے انعقاد سے مقصد یہ تھا کہ ہمارے اطفال میں دینی معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا

ہوا اور وہ شروع سے ہی جماعتی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے تیار کئے جائیں بچوں کو دینی معلومات بہم پہنچانا اور ان کو جماعتی مسائل سے آگاہ کرنا ان کے والدین اور دوسرے سرپرستوں کا فرض ہے مقامی انصار پر بھی ایک حد تک اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

یہ انعامی مقابلہ گذشتہ کئی سال سے ہو رہا ہے لیکن دیکھا گیا ہے کہ اس میں زیادہ تر ربوہ کے اطفال ہی حصہ لیتے ہیں بیرونجات کے اطفال بہت کم اس میں شمولیت اختیار کرتے ہیں اس سے انعامی مقابلہ کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر جگہ کے انصار اور جماعت کے دوسرے عہدہ دار اپنے مقام پر بچوں کو نصاب کے مطابق تیار کروائیں اور مقابلہ کے لئے خاصی تعداد میں ان کو مرکز میں بھجوایا جائے تاکہ صحیح مقابلہ کی روح پیدا ہو اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں بچے مرکز میں جمع ہوں گے اور مقابلہ میں شرکت کے علاوہ انصار اللہ کے روح پرور اجتماع اور مرکز میں حاضری کی برکات سے مستفید ہوں گے اور ان میں جماعتی نظام اور جماعتی کاموں سے زیادہ دلچسپی اور دلبستگی پیدا ہوگی یہ مقابلہ ہر سال انصار اللہ کے اجتماع کے موقعہ پر ہوتا ہے اس سال اس مقابلہ کے لئے مندرجہ ذیل نصاب تجویز کیا گیا ہے۔

۱۔ تبراس المومنین اور چالیس جواہر پارے۔

۲۔ احمدیت سے متعلق عقائد، مسائل اور تاریخی معلومات۔

۳۔ پاکستان سے متعلق تاریخی اور جغرافیائی معلومات۔

۴۔ تبلیغ بیرون پاکستان و جماعتی ادارہ جات کے متعلق معلومات۔

نوٹ:۔ اس مقابلہ میں نو سے چودہ سال تک کی عمر کے بچے شامل ہو سکتے ہیں۔ تمام عہدیداران جماعت اور انصار سے گذارش ہے کہ اس نیک کام کی طرف توجہ فرمائیں۔ بچوں کی تربیت اہم جماعتی ذمہ داری ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہر جگہ ابھی سے ایسا انتظام کیا جائے کہ بچے وقت پر اس نصاب کو مکمل کر سکیں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں مقابلہ کے لئے حاضر ہوں بلکہ یہ انتظام ہمیشہ جاری رہنا چاہیئے تاکہ سال بہ سال یہ کام باقاعدگی سے جاری رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور کماحقہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔

(قائد تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

آسمانی کھڑکیاں کھلنے کو ہیں اور عنقریب صبح صادق ہونے والی ہے

مبارک وہ جو اٹھ بیٹھیں اور اب سچے خدا کو ڈھونڈیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''اے عزیزو ! اے پیارو ! کوئی انسان خدا کے ارادوں میں اس سے لڑائی نہیں کر سکتا ۔ یقیناً سمجھ لو کہ کامل علم کا ذریعہ خدائے تعالیٰ کا الہام ہے جو خدائے تعالیٰ کے پاک نبیوں کو ملا ۔ پھر بعد اس کے اس خدا نے جو دریائے فیض ہے یہ ہرگز نہ چاہا کہ آئندہ اس الہام کو مہر لگادے اور اس طرح پر دنیا کو تباہ کرے بلکہ اس کے الہام اور مکالمے اور مخاطبے کے ہمیشہ دروازے کھلے ہیں ۔ ہاں ان کو ان کی راہوں سے ڈھونڈو تب وہ آسانی سے تمہیں ملیں گے ۔ وہ زندگی کا پانی آسمان سے آیا اور مناسب مقام پر ٹھہرا ۔ اب تمہیں کیا کرنا چاہیئے کہ اس پانی کو پی سکو ۔ یہی کرنا چاہیئے کہ افتاں و خیزاں اس چشمہ تک پہنچو ۔ پھر اپنا منہ اس چشمہ کے آگے رکھ دو تا اس زندگی کے پانی سے سیراب ہو جاؤ ۔ انسان کی تمام سعادت اسی میں ہے کہ جہاں روشنی کا پتہ چلے اسی طرف دوڑے اور جہاں اس گم گشتہ دوست کا نشان پیدا ہو اسی راہ کو اختیار کرے ۔ دیکھتے ہو کہ ہمیشہ آسمان سے روشنی اترتی اور زمین پر پڑتی ہے ۔ اسی طرح ہدایت کا سچا نور آسمان سے ہی اترتا ہے ... ہماری آنکھیں گو بینا ہوں تا ہم آسمانی روشنی کی محتاج ہیں ۔ اور ہمارے کان گو شنوا ہوں تا ہم اس ہوا کے حاجتمند ہیں جو خدا کی طرف سے چلتی ہے ۔ وہ خدا سچا خدا نہیں ہے جو خاموش ہے اور سارا مدار ہماری اٹکلوں پر ہے ۔ بلکہ کامل اور زندہ خدا وہ ہے جو اپنے وجود کا آپ پتہ دیتا رہا ہے اور اب بھی اس نے یہی چاہا ہے کہ آپ اپنے وجود کا پتہ دیوے ۔ آسمانی کھڑکیاں کھلنے کو ہیں ۔ عنقریب صبح صادق ہونے والی ہے ۔ مبارک وہ جو اٹھ بیٹھیں اور اب سچے خدا کو ڈھونڈیں ،،

(اسلامی اصول کی فلاسفی)

ڈائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں طبع ہؤا